جنوری ۱۹۹۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستان میں اسلامی انقلاب

کیا؟ ـــــ کیوں؟ ـــــ اور کیسے؟

ڈاکٹر اسرار احمد

فضیلتِ صیام و قیامِ رمضان

بزبانِ صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

وَمَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔ اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں!"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد : ۴۸
شمارہ : ۱
رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ
جنوری ۱۹۹۹ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زرتعاون ۱۰۰/-

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر — 17 ڈالر (600 روپے)
  عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا
  یورپ' جاپان
- ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق — 10 ڈالر (400 روپے)
  الجزائر' مصر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700۔فون: 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 7۔گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور' فون: 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ' مرکزی انجمن' طابع: رشید احمد چودھری' مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ـــــــــــ ۳
حافظ خالد محمود خضر

☆ تذکرہ و تبصرہ ـــــــــــ ۵
پاکستان میں اسلامی انقلاب
کیا؟ — کیوں؟ — اور کیسے؟
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ منہج انقلاب نبوی ﷺ (۱۱) ـــــــــــ ۱۵
مخالف قوتوں کا آخری قلع قمع
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ تذکیر و موعظت ـــــــــــ ۳۹
فضیلت صیام و قیامِ رمضان
عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

☆ دعوت فکر ـــــــــــ ۴۹
نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام
رشید عمر

☆ غلطیوں کی اصلاح کا نبوی طریق کار (۹) ـــــــــــ ۶۱
علامہ محمد صالح المنجد

☆ فکر عجم (۱۴) ـــــــــــ ۷۰
ڈاکٹر علی شریعتی اور آیت اللہ طالقانی
ڈاکٹر ابو معاز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ احوال

ہماری زندگی کے دوران ماہِ رمضان المبارک کا ایک بار پھر جلوہ افروز ہونا یقیناً اللہ تعالیٰ کا ہم پر ایک عظیم احسان ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہِ مبارک کے دوران دِن کے روزے اور رات کے قیام بالقرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کے مستحق بنتے ہیں' جبکہ ایسے لوگوں کی بدبختی پر افسوس ہے جن کی زندگی میں یہ ماہِ مبارک آتا بھی ہے تو ان کے شب و روز میں کوئی تغیر نہیں آتا اور انہیں اس نعمتِ عظمیٰ کے زیاں کا احساس تک نہیں ہوتا جو رمضان المبارک کی صورت میں ان کی زندگی کے لمحات میں داخل ہوئی اور اپنا کوئی اثر چھوڑے بغیر چلی گئی۔ رسولِ رحمت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے : ((فَاِنَّ الشَّقِیَّ مَنْ حُرِمَ فِیْہِ رَحْمَۃَ اللّٰہِ)) "یقیناً وہ شخص انتہائی بدبخت ہے جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہا"۔

اس ماہِ مبارک کے بارے میں ایک انتہائی اہم بات' جو اکثر ہمارے پیشِ نظر نہیں رہتی' یہ ہے کہ رمضان المبارک مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں ایک ریفریشر کورس کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے دوران حاصل ہونے والے فیوض و برکات کے اثرات ہماری زندگیوں پر مستقل اور دائمی ہونے چاہئیں۔ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اس ماہِ مبارک میں شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں (صُفِدَتِ الشَّیَاطِیْنُ)۔ قید کی مُدّت ختم ہوتے ہی جونہی ان کو رہائی ملتی ہے تو ان کا اولین ہدف مسلمانوں کی اُس دولتِ ایمانی پر ڈاکہ زنی ہوتا ہے جو انہوں نے اس ماہِ مبارک کے دوران جمع کی ہوتی ہے۔ اپنے اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے شیاطین مختلف حربے استعمال کرتے ہیں۔ آج کے دَور میں شیاطین کے پاس انتہائی مؤثر حربہ ذرائع ابلاغ خصوصاً ٹی وی کا ہے۔ چنانچہ رمضان کے ختم ہوتے ہی شیاطین اور ان کی معنوی ذریت اس محاذ پر صف آراء ہو کر مسلمانوں کے دین و ایمان پر بھرپور طریقے سے حملہ آور ہوتی ہے۔ عید کے حوالے سے ٹیلی ویژن پر خصوصی رنگا رنگ پروگرام اسی حملے کا مظہر ہوتے ہیں' تاکہ رمضان کے دوران مسلمانوں کے سیرت و کردار پر جو بھی مثبت اثرات مترتب ہوئے ہوں انہیں یکسر

محو کر دیا جائے اور لوگوں نے صیام و قیامِ رمضان کے ذریعے اپنے ایمان کی پونجی میں جو اضافہ کیا ہے اس سے انہیں محروم کر دیا جائے ـــــ لہٰذا مسلمانوں کو اِس محاذ پر انتہائی ہوشیار اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے اور "عید سپیشل" کے نام پر ایسے حیا سوز اور مخربِ اخلاق ٹی وی پروگرام دیکھنے سے مکمل اجتناب ضروری ہے : ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا...﴾

ہم شریعت بل کی داعی نواز شریف حکومت سے بھی بھرپور مطالبہ کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کے دوران مسلمانانِ پاکستان کو ٹی وی پر خانہ کعبہ سے نمازِ تراویح دکھانے کے بعد عید کے موقع پر اسی ٹی وی کے ذریعے ان کی دولت ایمانی پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت نہ دی جائے۔ (حافظ خالد محمود خضر)

قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس بذریعہ CD

قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس جو بذریعہ کتب و کیسٹ کروایا جاتا ہے' اس کے ساتھ ساتھ اب یہ کورس اللہ کی تائید و نصرت سے بذریعہ "CD" بھی کروایا جائے گا۔ یعنی کورس میں شامل 44 کیسٹ بھیجنے کی بجائے' ایسے افراد جن کے پاس کمپیوٹر کی سہولت ہو' انہیں "CD" بھیجی جائے گی۔ بذریعہ "CD" کورس کرنے کی صورت میں کورس کی فیس =/450 روپے ہوگی۔ داخلہ فارم پُر کرتے وقت یہ لکھنا ہوگا کہ ہم یہ کورس بذریعہ "CD" کرنا چاہتے ہیں۔

مزید تفصیلات کے لئے رابطہ کیجئے :

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی 36 کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 03-5869501

پاکستان میں اسلامی انقلاب

کیا ؟ ___ کیوں؟ ___ اور کیسے ؟

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

خطبۂ مسنونہ' تلاوتِ آیاتِ قرآنی' احادیث نبویؐ اور ادعیہ ماثورہ کے بعد :

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے' ہماری آج کی گفتگو تین حصوں پر مشتمل ہو گی' یعنی اسلامی انقلاب کا مفہوم کیا ہے؟ پاکستان میں اسلامی انقلاب آنا کیوں ضروری ہے؟ اور یہ انقلاب کیسے آ سکتا ہے؟ ___ ان تین سوالات میں سے ہر ایک کے ضمن میں مجھے دو دو باتیں عرض کرنی ہیں۔ گویا آج ہماری گفتگو کُل چھ باتوں پر مشتمل ہو گی۔

(ا) "اسلامی انقلاب" ___ کیا ؟

(i) اسلامی انقلاب کا مفہوم اور اس کے مترادفات

"اسلامی انقلاب" کی اصطلاح ایک جدید اصطلاح ہے' جو قرآن و حدیث میں کہیں استعمال نہیں ہوئی۔ اس اعتبار سے اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ قرآن و حدیث کی اصطلاحات کو چھوڑ کر یہ اصطلاح کیوں استعمال کی جاتی ہے۔ میں اصولاً اس بات کا شدّت سے قائل ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو ہمیں قرآن و حدیث ہی کی اصطلاحات استعمال کرنی چاہئیں اور ان کے ہوتے ہوئے جدید اصطلاحات سے حتی الامکان گریز کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ہر نئی اصطلاح میں کوئی نہ کوئی نیا مفہوم لازمی طور پر شامل ہوتا ہے اور لاکھ کوشش کے باوجود اس اصطلاح کے استعمال سے غیر شعوری طور پر اس بات کا امکان موجود رہتا ہے کہ اس کے اندر مضمر غلط مفہوم بھی ذہنوں میں بیٹھ جائے۔

اس کے باوجود مَیں "اسلامی انقلاب" کی اصطلاح اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ بسا

اوقات "Generation Gap" کی وجہ سے ایک نسل کی بات اگلی نسل سمجھنے سے عاری ہوتی ہے۔ نوجوان نسل اپنی اصطلاحات میں بات کرتی اور سمجھتی ہے' جبکہ وہ قدیم اصطلاحات سے ناواقف ہوتی ہے۔ چنانچہ اصطلاحات کے فرق کی وجہ سے ابلاغ نہیں ہو پاتا اور بات ذہنوں تک نہیں پہنچتی۔ ہمارے ہاں جو "Generation Gap" موجود ہے یہ ایک دو نسلوں کا معاملہ نہیں ہے' بلکہ بیسیوں نسلوں پر محیط ہے۔ ہماری کم از کم آٹھ نسلیں تو انگریز کی غلامی میں گزری ہیں' چنانچہ ہم نے انگریزی تہذیب و تمدن کو اپناتے ہوئے انگریزی اصطلاحات میں سوچنے کی عادت ڈال لی ہے۔ اسی کا مظہر ہے کہ آج ہماری عظیم اکثریت قمری مہینوں کی تاریخوں تک سے واقف نہیں ہوتی اور انہیں صرف عید بقر عید کے دنوں یا ماہ رمضان کے دوران قمری تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارا سال کا تصور اسلامی نہیں' بلکہ انگریزی سال کا ہے جو ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے۔ اب یہ فرق جو بالفعل واقع ہو چکا ہے اس کے باعث بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خالص دینی اصطلاح استعمال کی جائے اور صرف قرآن و سُنّت کے حوالے سے بات کی جائے تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی اور بات کرنے کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ لوگوں کے ذہنوں تک بات پہنچانے کی غرض سے بعض جدید اصطلاحات کا استعمال ایک ناگزیر ضرورت بن جاتا ہے۔

آج کی دنیا میں جس چیز کو "انقلاب" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کے ساتھ ہم نے "اسلامی" کا سابقہ لگا کر "اسلامی انقلاب" کی مرکب اصطلاح بنالی ہے اس کے لئے قرآن مجید اور حدیث نبویؐ میں پانچ اصطلاحات وارد ہوئی ہیں۔ ہم اپنے دروس اور تنظیمی اجتماعات میں یہی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں' لیکن پبلک مقامات پر عوام کو سمجھانے کے لئے "اسلامی انقلاب" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ قرآن و حدیث میں وارد شدہ پانچ اصطلاحات مندرجہ ذیل ہیں :

١۔ <u>تکبیر رب</u> : سورۃ المدّثر کے آغاز میں فرمایا :

﴿ يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ ﴾ (آیات ١۔٣)

"اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اُٹھو اور خبردار کرو' اور اپنے رب کی بڑائی کا

اعلان کرو!"

یہ آیات بالکل ابتداء میں نازل ہونے والی آیاتِ قرآنی میں سے ہیں۔ گویا "تکبیرِ رب" کا حکم اُن ابتدائی احکام میں سے ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کو دیئے گئے۔

معمولی سا دینی مزاج رکھنے والے مسلمان کو بھی معلوم ہو گا کہ "تکبیرِ رب" کے معنی کیا ہیں۔ "تکبیر" کا لفظی معنی "بڑا کرنا" ہے۔ جیسے "تصغیر" کا معنی "چھوٹا کرنا" اور "تسہیل" کا معنی "آسان کرنا" ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ رب کو بڑا کرنے کا مفہوم کیا ہوا جبکہ رب تو بذاتِ خود بڑا ہے؟ اس حکم کا مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ رَبّ بذاتہٖ سب سے بڑا ہے لیکن دنیا میں اس کی بڑائی مانی نہیں جا رہی' اس کا قانون نافذ نہیں کیا جا رہا' بلکہ یہاں انسانوں کے خود ساختہ قوانین نافذ ہیں۔ اس طرح بالفعل بڑے تو وہ بنے ہوئے ہیں جنہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جو حکم چاہیں نافذ کر دیں اور جس قرآنی حکم پر چاہیں عملدرآمد روک دیں۔ مثال کے طور پر ضیاء الحق صاحب نے ایک آرڈی نینس جاری کیا تھا کہ عورتوں کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ ایک غیر شادی شدہ عورت زنا کا ارتکاب کرتی ہے تو اسے کوڑے کیوں نہیں لگائے جائیں گے' جبکہ نصِ قرآنی موجود ہے کہ ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ (النور : ۲) یعنی "زنا کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت' دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو"۔ اب ضیاء الحق صاحب نے اپنے اس آرڈی نینس کے ذریعے گویا ایک آیتِ قرآنی کی تنسیخ کر دی۔ اس کا یہی معنی ہوا کہ اللہ کا حکم نیچے اور ضیاء الحق کا اختیار بالاتر ہو گیا۔ اگر کہیں بادشاہت قائم ہے تو بادشاہ کا حکم اوپر ہے' اللہ کا نہیں۔ اسی طرح جمہوریت میں حاکمیت جمہور کی ہے' حکم کا اختیار ان کا ہے۔ لہٰذا ہمارے ہاں یہ بات صرف اقرار کی حد تک صحیح ہے کہ "اللہ سب سے بڑا ہے"۔ اللہ آسمانوں میں تو بڑا ہے' زمین میں ہم نے اس کو بڑا نہیں مانا بلکہ اپنے بنائے ہوئے نظام نافذ کر کے ہم خود بڑے بن بیٹھے ہیں اور اپنے طرزِ عمل سے اسے چھوٹا بنا رہے ہیں۔ "تکبیرِ رب" کا مفہوم یہ ہو گا کہ دنیا میں ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں واقعتاً اللہ بڑا ہو۔ یعنی اس کی بڑائی بالفعل مانی جا رہی ہو' اس کی حاکمیتِ اعلیٰ کو تسلیم کیا جا رہا ہو' اس کے حکم سے اوپر کسی کا حکم نہ ہو اور

اس کی بات سے بالاتر کسی کی بات نہ ہو۔ اس کے لئے ظاہر ہے کہ پہلے سے موجود نظام کو بدلنا ہو گا۔ نظام کی اسی تبدیلی کا نام "انقلاب" ہے۔ گویا "اسلامی انقلاب" کا مفہوم بھی وہی ہے جو "تکبیر رب" کا ہے۔

ب۔ اقامتِ دین : اس حقیقت سے ہر مسلمان آگاہ ہے کہ ہمارا دین صرف نماز روزے تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ پوری زندگی سے متعلق احکام اور ہدایات پر مشتمل ہے۔ اس میں حلال و حرام کی وضاحت بھی ہے' اوامر و نواہی ہیں' فوجداری اور دیوانی قوانین بھی ہیں' غرضیکہ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس سے متعلق حکم موجود نہ ہو۔ بلکہ اسی بنیاد پر مدینہ منورہ میں یہودیوں نے مسلمانوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا تھا کہ تمہارے نبیؐ تمہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات حضورؐ سے عرض کی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم انہیں جواب دو کہ ہاں' ہمارے نبیؐ نے تو ہمیں استنجا کرنا بھی سکھایا ہے۔ اس لئے کہ طہارت بھی انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ہمارا دین پوری زندگی کا دین ہے' یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس دین کے بارے میں سورۃ الشوریٰ میں بایں الفاظ حکم دیا گیا: ﴿... اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ ...﴾ "کہ دین کو قائم کرو۔" چنانچہ دین کو قائم کرنے کا مطلب پورے نظامِ دین کو قائم کرنا ہو گا' نہ کہ صرف نماز قائم کرنا' روزہ رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔ یہ تو ارکانِ دین ہیں جو دین کو قائم کرنے کے ذرائع ہیں۔ نماز قائم کرنا دین کو قائم کرنے کا ایک ذریعہ ہے' روزہ رکھنے سے ہمیں دین کو قائم کرنے کے لئے تقویٰ کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال کی محبت دل سے نکالنے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن "اقامت دین" کا مفہوم پورے کے پورے نظامِ دین کو قائم کرنا ہے اور یہی مفہوم "اسلامی انقلاب" کا ہے۔

"اَقِیْمُوا الدِّیْنَ" کا ترجمہ ہم نے "دین کو قائم کرو" کیا ہے۔ بعض مترجم حضرات نے اس کا ترجمہ "دین کو قائم رکھو" بھی کیا ہے۔ یہ محض لفظی فرق ہے' مفہوم کے اعتبار سے دونوں تراجم میں کوئی حقیقی فرق نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں کسی جگہ ایک خیمہ لگانا ہے تو کہیں گے "خیمے کو کھڑا کرو" اور خیمہ اگر قائم ہے اور تیز آندھی چل رہی ہے تو

اب کہا جائے گا کہ "خیمے کو کھڑا رکھو" یعنی کوشش کرو کہ یہ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ چنانچہ اس کا تقاضا ہو گا کہ خیمے کی رسیوں کو مضبوطی سے تھاما جائے' اس کے جو کھونٹے گڑے ہوئے ہیں ان کو مضبوط کیا جائے اور اس کے بانسوں کو گرنے نہ دیا جائے۔ یہی مفہوم "اقامتِ دین" کا ہے کہ اسلام اگر قائم نہیں ہے تو اسے قائم کیا جائے اور اگر قائم ہے تو اسے قائم رکھا جائے۔ جیسے محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے عرب میں دین قائم کر دیا اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اسے قائم رکھا۔ بعد کے ادوار میں دین کی عمارت درجہ بدرجہ منہدم ہونے لگی' یہاں تک کہ یہ بالکل زمین بوس ہو گئی۔ اب مسلمانوں کا فرض ہے کہ دین کی اس عمارت کو از سرِ نو قائم کریں۔ یہی "اقامتِ دین" کا مفہوم ہے اور یہی "اسلامی انقلاب" کا۔

ج۔ غلبۂ دین (اظھارُ دینِ الحقّ علی الدِّینِ کُلِّہٖ) : یہ اصطلاح قرآن حکیم میں تین مقامات پر آئی ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳' سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ اور سورۃ الصّف کی آیت ۹ میں بعینہٖ ایک جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں :

﴿ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ... ﴾

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الھدیٰ (یعنی قرآن حکیم) اور دین حق دے کر تاکہ اسے غالب کر دے کل کے کل دین پر۔"

ہمارا دین' دین حق ہے جو مغلوب ہونے کے لئے نہیں غالب رہنے کے لئے آیا ہے۔ اَلْحَقُّ یعلُو وَلا یُعلٰی علیہ' حق کا یہ حق ہے کہ وہ غالب ہو' نہ یہ کہ مغلوب رہے۔

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا مقصدِ بعثت ہی غلبۂ دین قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب کی حد تک دین کو غالب کر دیا۔ خلفائے راشدین کے دور میں غلبہ دین کا یہ عمل توسیع پذیر رہا' لیکن بعد کے ادوار میں یہ عمل رجعت قہقری کا شکار ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت کا یہ تقاضا ہے کہ اُمّتِ مسلمہ دنیا میں کُل کے کُل دین کو غالب کرنے کی جِدّوجُہد کرے۔ دین اگر مغلوب اور پامال ہے تو اس کو غالب کرنے کی جدوجہد ہمارا دینی فریضہ ہے۔ یہی مفہوم "اسلامی انقلاب" کی

اصطلاح کا ہے۔

د۔ دینِ کُل کا کُل اللہ کا ہو جائے (یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ) : یہ اصطلاح قرآن حکیم میں سورۃ الانفال میں وارد ہوئی ہے۔ فرمایا :

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾

(الانفال : ۳۹)

"اور ان (کافروں) سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔"

یہ آیتِ مبارکہ غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ مکّی زندگی کے بارہ برس کے دوران اور اس کے بعد مدینہ میں بھی دو سال تک مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ پھر جب حکم آگیا کہ ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ﴾ یعنی "تم پر (اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے) جنگ فرض کر دی گئی ہے" تو ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا کہ مسلمانو! اب تمہاری تلواریں اُس وقت تک میان میں واپس نہ جائیں جب تک کہ فتنہ و فساد بالکل ختم نہ ہو جائے اور دین کُل کا کُل اللہ کے لئے نہ ہو جائے۔ یہ نہیں کہ مسجد میں تو اللہ کا دین ہو اور پارلیمنٹ میں اللہ کا دین نہ ہو۔ مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے پارلیمنٹ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی تھی تو وہاں پر ان کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ ہماری پارلیمنٹ میں دین کی باتوں کا مذاق اس لئے اڑایا جاتا ہے کہ وہاں اللہ کو بڑا نہیں مانا جاتا۔ میں یہ بات بار بار عرض کروں گا کہ ہمارا دین زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔ چنانچہ دین کا ایک حصہ بھی علیحدہ کر دیا جائے گا تو باقی جُزوِ دین رہ جائے گا، کُل دین نہیں رہے گا۔

ہ۔ اللہ کے کلمہ کی سربلندی (لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا) : یہ اصطلاح حدیثِ نبویؐ میں آئی ہے۔ جب جہاد و قتال کا مرحلہ شروع ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ سے استفسار کیا گیا کہ کوئی شخص اپنی بہادری کے اظہار کے لئے شریکِ جنگ ہوتا ہے، کوئی شخص مالِ غنیمت کے حصول کے لئے لڑتا ہے اور کوئی شخص کسی قبائلی عصبیت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے (یعنی جس قبیلے کے خلاف مسلمان لشکر کشی کر رہے ہیں اُس قبیلے کے ساتھ کسی مسلمان کا ذاتی جھگڑا بھی ہے اور اب وہ شخص ذاتی انتقام کے جذبے سے اس لشکر میں شریک ہوا

ہے)' تو ان میں مجاہد فی سبیل اللہ کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا :

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

"(ان میں سے کوئی بھی مجاہد فی سبیل اللہ نہیں ہے) مجاہد فی سبیل اللہ صرف وہ ہے جو محض اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو جائے۔"

قرآن و حدیث کی ان پانچ اصطلاحات کا مفہوم آج کے نوجوانوں کو سمجھانے کے لئے "اسلامی انقلاب" کی اصطلاح استعمال کرنا پڑتی ہے۔

(ii) اسلامی انقلاب سے مراد کیا ہے؟

اسلامی انقلاب کے حوالے سے لوگ بڑے مغالطوں کا شکار ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کچھ اسلامی سزائیں نافذ ہو جائیں مثلاً چوروں کے ہاتھ کٹنے لگیں اور بدکاروں کو کوڑے لگنے لگیں تو بس اسلامی انقلاب آگیا۔ ہمارے ہاں حکومتی سطح پر بھی اس حوالے سے بڑے دھوکے دیئے گئے ہیں کہ بینکوں میں رکھی گئی رقوم سے زکوٰۃ کی کٹوتی کر کے اور سود کو "مارک اپ" کا نام دے کر اسلامی نظام نافذ کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ واضح طور پر جان لیجئے کہ اسلامی انقلاب کا مطلب اُس نظامِ عدل کو قائم کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے بھیجا۔

یہ عدل سیاسی میدان میں بھی ہو گا' یعنی زمین پر کوئی حاکم نہیں' کوئی محکوم نہیں' سب اللہ کے بندے ہیں اور آپس میں سب بھائی بھائی ہیں۔ ان کے حقوق کے اوپر کوئی ڈاکہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایران کے گورنر تھے اور وہ گورنری بھی ریوڑیوں کی طرح بٹی ہوئی نہیں تھی' بلکہ وہ گورنر اس لئے تھے کہ خود فاتحِ ایران تھے۔ انہوں نے صرف یہ کیا تھا کہ اپنے مکان کے باہر ایک ڈیوڑھی بنا کر وہاں ایک دربان کھڑا کر دیا تھا' لیکن اس پر دار الخلافہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ڈانٹ کا خط آگیا تھا کہ "اے سعد' لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا' تم نے انہیں کب سے غلام بنا لیا ہے؟" یہ آزادی تھی جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے دی تھی۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو مقدمہ چلائے بغیر قید کر دیا۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کا یہ فعل بلا سبب نہ تھا' حضورؐ نے

اسے کسی مصلحت کے تحت قید کیا ہو گا۔ لیکن حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اس شخص کا پڑوسی آگیا اور خطبے کے دوران سوال کیا کہ میرے پڑوسی کو کس جرم میں قید کیا گیا ہے؟ حضورؐ نے اعراض فرمایا' جواب نہیں دیا اور دوسری طرف رُخ کر لیا۔ وہ دوسری طرف آ کھڑا ہوا اور پوچھا کہ میرے پڑوسی کو کس جرم میں قید کیا گیا ہے؟۔ حضور ﷺ نے فوراً حکم دیا کہ اس کو رہا کر دو۔ یہ حقوق تھے جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے دیئے تھے۔ لیکن اگر نظام ایسا قائم ہے کہ لوگوں کے حقوق پر کچھ لوگوں نے ڈاکے ڈالے ہوئے ہیں' کچھ لوگ ان کی تقدیر کے مالک بنے ہوئے ہیں تو جب تک اس نظام کو ختم نہیں کیا جائے گا اسلام نہیں آسکتا۔ اسلام صرف نماز روزہ کا نام نہیں ہے۔

سیاسی عدل کی طرح اسلام معاشی عدل کا بھی ضامن ہے۔ ہمارے ہاں جو جاگیرداری نظام قائم ہے یہ انگریز سے وفاداری کے نتیجے میں قائم ہوا تھا۔ کچھ لوگوں نے انگریز کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کیا تو انہیں جاگیریں ملیں۔ اب ان جاگیرداروں کے بیٹے منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور ان کی اعلیٰ ترین سطح کی تعلیم یورپ یا امریکہ میں ہوتی ہے' وہ یہاں نہیں پڑھتے۔ یہ ایک مخصوص طبقہ کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور عام لوگوں پر مسلّط ہیں۔ سیاست میں وہی ہیں' CSP وہی ہیں' صنعت کار بھی وہی ہیں۔ لہٰذا جب تک اس ملک سے جاگیرداری کا جنازہ نہیں نکلے گا یہاں حقیقی اسلام کے قیام کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح کی معاشی ناہمواریوں کے ہوتے ہوئے عدل کہاں سے آئے گا' انصاف کہاں سے آئے گا؟ کہنے کو تو سب کے لئے مواقع برابر ہیں' لیکن عملاً صورتحال یہ ہے کہ ایک کے بچے کو عام پرائمری سکول میں داخلہ نہیں ملتا اور ایک کا بچہ چاہے تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوا ہو وہ اسے امریکہ بھیج رہا ہوتا ہے۔ تو یہ پیسہ کہاں سے آگیا ہے؟ کیا یہ حلال کا پیسہ ہے؟ یہ جو بڑی بڑی بلڈنگیں بن رہی ہیں' بیس بیس کنال کی کوٹھیاں تعمیر ہوتی ہیں' کیا یہ حلال کے پیسے سے بنتی ہیں؟ ان کو تحفظ دینے والا نظام اسلامی نظام نہیں ہو سکتا۔ ہم یہ قطعاً نہیں کہتے کہ آپ کمیونزم والا معاشی نظام لائیں۔ اسلام نے بھی آپ کو اس معاشی ناہمواری کا حل بتایا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مزارعت حرام ہے۔ جس شخص کی زمین ہے وہ اسے خود کاشت کرے' یا پھر اپنے بھائی کو

دے دے کہ وہ کاشت کرلے، لیکن خود اس کی محنت میں سے کچھ حصہ وصول نہ کرے، یہ حرام ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے جو احادیث نبویہؐ پر مبنی ہے۔ لیکن فقہ حنفی میں فتویٰ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر نہیں ہے، بلکہ صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہما کی رائے پر ہے، جو امام صاحب کے شاگرد ہیں۔ ان دونوں حضرات نے مزارعت کو دو شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ پھر فقہ حنفی کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ جس ملک کو مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح کیا ہو اس کی زمینیں ذاتی ملکیت رہتی ہی نہیں بلکہ وہ سب اُمّت کی اجتماعی ملکیت قرار پاتی ہیں۔ وہاں کوئی زمیندار نہیں ہوتا، سب کے سب کاشتکار ہوتے ہیں۔ وہ موروثی کاشتکار ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی کی رُو سے پاکستان کی زمینیں عشری نہیں ہیں، خراجی ہیں، لہٰذا خراج براہ راست بیت المال میں جانا چاہئے۔ یہ بیچ میں زمیندار کہاں سے ٹپک پڑا؟ یہ اس دور کے مسائل ہیں جن کا حل اسلام پیش کرتا ہے۔ آپ صرف نماز روزے کی تلقین کریں گے تو زمانہ آپ کو بہت پیچھے چھوڑ جائے گا۔ لوگ تو ان مسائل کا حل چاہتے ہیں جو انہیں درپیش ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص نے ڈگڈگی بجائی کہ "روٹی، کپڑا، مکان" اور آپ کو یاد ہے کہ کیا ہوا تھا؟ وہی جو اقبال نے ابلیس کے الفاظ نقل کئے ہیں ؎

کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو!

لہٰذا جان لیجئے کہ اسلام لوگوں کو جو حقوق دیتا ہے آپ اگر وہ حقوق نہیں دیں گے تو لوگ اسے بھی مسترد کر کے کسی دوسرے نظام کی طرف رجوع کریں گے۔ لہٰذا اسلامی نظام کا مطلب یہ بھی ہے کہ اسلام کا جو معاشی نظام ہے اس کو نافذ کرو۔

اسی طرح تیسری چیز سماجی مساوات ہے۔ اسلام میں کوئی اونچا نہیں، کوئی نیچا نہیں، کوئی اعلیٰ نہیں، کوئی گھٹیا نہیں۔ رنگ و نسل کی بنیاد پر اونچ نیچ کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ ہمارے ہاں سید کی برتری کا تصور ہندوستان میں برہمنوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دوٹوک الفاظ میں فرمادیا تھا:

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَّلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ

عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی، کُلُّکُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ))

"کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، سوائے تقویٰ کے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو "سید نا بلال" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ یہ وہ نظام ہے جو آج کے دَور کی ضرورت ہے۔ آپ کے ہاں کوئی غیر مسلم مسلمان ہوتا ہے تو وہ "معلّی" ہی رہتا ہے، چوہدری کے برابر چارپائی پر نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ کہاں کا نظام ہے؟

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود!
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!!

سید زادہ (اور پتہ نہیں وہ سیّد ہے بھی یا نہیں، خود ساختہ سید بھی بہت ہوتے ہیں) خواہ زانی ہو یا شرابی، اس کے گھٹنے کو ہاتھ لگایا جائے گا اور کوئی شخص بڑے سے بڑا متقی ہو اس کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ سماجی سطح پر تمام انسان برابر ہیں۔ یہ سب ایک نسل انسانی سے ہیں، لہٰذا کوئی اونچا نہیں، کوئی نیچا نہیں۔ ہمارے ہاں سماجی عدم مساوات کا نقشہ دیکھنا ہو تو اپنے دیہات میں دیکھئے۔ ملتان سے آگے چلیں تو دریائے سندھ کے دونوں طرف جتنی زرخیز زمینیں ہیں وہ ساری اکثر و بیشتر ان لوگوں کی ملکیت ہیں جو پیر بنے ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی سید ہے، کوئی جیلانی ہے، کوئی فلانی ہے اور عوام ان کی "رعیت" ہیں۔ یہ نظام قائم رکھ کر آپ سمجھتے ہیں کہ اسلام آجائے گا؟ ایں خیال است و محال است و جنوں!!

یہ جان لیجئے کہ جب میں "اسلامی انقلاب" کا نام لیتا ہوں تو اس سے مراد اسلام کا عادلانہ نظام ہوتا ہے۔ یعنی اسلام کی سماجی مساوات، اسلام کا معاشی عدل اور اسلام کے عطا کردہ سیاسی حقوق، ان سب کو قائم کرنا اسلامی انقلاب ہوگا ـــــ سورۃ الشوریٰ میں ﴿اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ والی آیت کے بعد اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ اے نبی ان سے کہہ دیجئے

(باقی صفحہ ۳۷ پر)

اندرونِ عرب انقلاب کے تکمیلی مراحل

پر نگاہِ بازگشت ـــــ اور

مخالف قُوتوں کا آخری قلع قمع

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

(مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن)

انقلابِ اسلامی کے اہم ترین موڑ

انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی جدوجہد کے دوران یکے بعد دیگرے جو حالات و واقعات پیش آئے ان میں سے بعض کو اہم ترین موڑ (Turning point) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "النبی الخاتم" میں سفر طائف کو Turning point قرار دیا ہے ـــــ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے اسلامی تقویم کا "واقعہ ہجرت" سے آغاز فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنجنابؓ کے نزدیک "ہجرت" کو بھی سیرت میں ایک اہم موڑ کی حیثیت حاصل تھی، کیونکہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ایک Base عطا فرمائی تھی، جو تمکن فی الارض کے لئے ایک بنیاد بنی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے سورۃ الحج کی اس آیت مبارکہ میں کہ : ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ جس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ یہ آیت اور اس سے ماقبل والی آیت دورانِ سفر ہجرت نازل ہوئیں۔ پھر غزوۂ احزاب کے وقت عرب میں ایک طرف

نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور دوسری طرف تمام مشرکینِ عرب بالخصوص قریش مکّہ اور یہود تھے۔ حق و باطل کے مابین جو طویل کشاکش جاری تھی اس میں غزوۂ احزاب کو اس اعتبار سے Turning Point کی حیثیت حاصل ہے کہ اس غزوہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ ((لَنْ تَغْزُوَكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّكُمْ تَغْزُوْنَهُمْ)) ـــــ چنانچہ اس کے نتیجہ میں حضور ﷺ نے اگلے سال عمرہ کی نیت سے وہ سفر کیا جو صلح حدیبیہ پر منتج ہوا' جو درحقیقت فتح مکّہ کی تمہید بنی۔ اِس صلح اور فتح مکّہ کے مابین نبی اکرم ﷺ کو قریباً دو سال کا جو پُرامن عرصہ ملا تو حضورؐ نے اس دوران اپنی دعوتی سرگرمیوں کو اندرونِ عرب تیز تر کر دیا اور آپؐ نے اسی مرحلہ پر اپنی حیاتِ طیبہ میں پہلی مرتبہ بیرونِ ملک عرب بھی دعوتی سرگرمی کا آغاز فرمایا۔ چنانچہ حضورؐ نے متعدد سلاطین اور رؤساء کو نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے۔

صلح حدیبیہ کے ٹوٹنے کے اسباب

صلح حدیبیہ کی شرائط میں دوسرے عرب قبائل کا یہ اختیار تسلیم کیا گیا تھا کہ ان میں سے جو چاہے قریش کے ساتھ حلیف ہونے کا رشتہ قائم کر لے اور جو چاہے جناب محمّد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ـــــ اور جو چاہے بالکل غیر جانب دار رہے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ ہی کے موقع پر بنو خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کے اور بنو بکر نے قریش کے حلیف ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ دونوں قبیلے مکّہ کے باہر آباد تھے اور ان میں کافی عرصہ سے باہمی عداوت چلی آ رہی تھی۔ ۸ھ کے غالباً جمادی الاخریٰ میں بنو بکر کی طرف سے اچانک بنو خزاعہ پر یلغار کی گئی' جس میں قریش کے بعض سربرآوردہ لوگوں نے بھیس بدل کر بنو بکر کا ساتھ دیا۔ بنو خزاعہ کے چند لوگوں نے حرمِ کعبہ میں پناہ لی لیکن ان کو وہاں بھی نہیں بخشا گیا اور ان کا خون بہایا گیا۔ بنو خزاعہ کا ایک وفد فریاد لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا' جس کے نتیجے میں آپؐ نے تین شرائط کے ساتھ اپنا سفیر مکّہ بھیجا تاکہ قریش پر حجت قائم ہو جائے۔ پہلی یہ کہ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے اور جو مالی نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کی جائے۔ یہ منظور نہ ہو تو قریش بنو بکر کی حمایت سے دست

کش ہو جائیں تاکہ مسلمان اپنے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ کے ساتھ مل کر اس جارح قبیلہ سے نمٹ لیں ـــــ اور اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی منظور نہ ہو تو تیسری شکل یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے خاتمے کا اعلان کر دیا جائے۔ اُس وقت قریش کے جوشیلے قسم کے لوگوں (Hawks) نے فوراً جواب دیا کہ ہمیں صرف تیسری بات منظور ہے۔ اس جواب سے گویا خود قریش نے صلح حدیبیہ ختم کر دی اور نبی اکرم ﷺ کے ایلچی واپس تشریف لے آئے۔

قریش کا احساسِ پشیمانی

فوری جوش کے ردِّ عمل میں قریش کے جوشیلے لوگوں کی طرف سے صلح حدیبیہ کو ختم کرنے کا اعلان تو ہو گیا لیکن جلد ہی ابو سفیان کو احساس ہوا کہ یہ بات قریش کے مفاد میں نہیں ہوئی بلکہ ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہو گی۔ اُس وقت تک بڑے لوگ تو رخصت ہو چکے تھے لہٰذا اب قریش کے رئیس اعظم ہونے کی حیثیت ان کو حاصل تھی۔ ابو سفیان بڑے ٹھنڈے متحمل مزاج اور دُور رس نگاہ کے حامل انسان تھے' وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو بڑے ہی جوشیلے اور ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں۔ اگرچہ ابو سفیان نے بھی نبی اکرم ﷺ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا لیکن ان کے اور قریش کے دوسرے جوشیلی طبیعت رکھنے والے لوگوں کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ وہ معاملات کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں پر غور و تدبر کے بعد اپنی رائے قائم کرتے تھے۔ چنانچہ ان کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے اور ہمیں جس طرح بھی ہو اس صلح کی تجدید کر لینی چاہئے۔ چنانچہ وہ مدینہ آئے اور صلح کی تجدید کے لئے کوششیں کیں لیکن بے نیلِ مرام واپس لوٹے۔

تجدیدِ صلح کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کا طرزِ عمل

اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے اس عزم (determination) کا اظہار کیا کہ اب صلح کی تجدید نہیں کرنی ہے۔ اگر صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو بظاہر ایک بہت بڑا تضاد (Contrast) سامنے آتا ہے کہ دو سال پہلے جناب محمد ﷺ ایسی شرائط پر صلح فرما رہے

ہیں کہ جن کے متعلق تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ محسوس کر رہے ہیں کہ یہ توہین آمیز ہیں۔ اس کا جو ردِّ عمل حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر ہوا وہ اوپر بیان ہو چکا۔ پھر یہ کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ ردِّ عمل بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضورؐ فرما رہے ہیں کہ اُٹھو، احرام کھول دو اور ساتھ لائے ہوئے جانوروں کی قربانیاں دے دو، لیکن ایک شخص بھی نہیں اُٹھتا۔ تو دو سال پہلے بظاہر اس درجہ بگڑ کر صلح کی گئی کہ جس سے تمام صحابہ کرامؓ کے دل مجروح ہوئے تھے ـــــ اور اب قریش کا رئیسِ اعظم مکّہ سے چل کر مدینہ آتا ہے اور سر توڑ کوششیں کر رہا ہے کہ کسی طرح صلح کی تجدید ہو جائے لیکن نبی اکرم ﷺ متوجہ ہی نہیں ہو رہے اور صلح نہیں فرما رہے ـــــ تو یہ یقیناً ظاہری اعتبار سے ایک بہت بڑا تضاد (Contrast) ہے، جسے مستشرقین نے منفی رنگ میں پیش کیا ہے۔

مستشرقین کی کوتاہ نظری

اصل میں مستشرقین نے سیرتِ مطہرہ کے ایسے ہی معاملات کے اوپر ڈیرے جمائے ہیں اور نقب زنی کی کوششیں کی ہیں۔ مثلاً ٹائن بی نے، جسے فلسفہ تاریخ کے بہت بڑے عالم کے طور پر بہت اونچے مقام پر تسلیم کیا جاتا ہے، اپنے ایک جملے میں اس تضاد کو اپنی دانست میں sum up کیا ہے، اور وہ جملہ یہ ہے کہ (نقل کفر کفر نباشد)

"Mohammad failed as a Prophet but succeeded as a statesman"

"محمد (ﷺ) ایک نبی اور پیغمبر کی حیثیت سے ناکام رہے لیکن ایک سیاست دان اور مدبّر کی حیثیت سے کامیاب رہے۔"

اس کے نزدیک مکّہ میں حضورؐ کا جو بھی رویہ اور کردار سامنے آتا ہے وہ تو یقیناً انبیاء والا ہے، لیکن مدینہ میں آپؐ کا جو کردار ہے، وہ تو ایک مدبّر، ایک سیاست دان، ایک statesman اور ایک فوجی جرنیل کا کیریکٹر ہے۔ اور اس کی رائے ہے کہ کامیابی مؤخر الذکر کو ہوئی ہے، مقدم الذکر کو نہیں ہوئی۔

اسی طرح مسٹر منٹگمری وہاٹ نے، جسے ایک مرتبہ ضیاء الحق کی حکومت نے بھی پاکستان بلایا تاکہ نیشنل سیرت کانفرنس میں وہ ہمیں سیرت سمجھائیں، دو جلدوں

(Volumes) میں نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ لکھی ہے۔ لیکن اس نے دونوں جلدوں کے عنوانات علیحدہ علیحدہ رکھے ہیں۔ گویا اس طرح اس نے اپنے باطل نظریہ کے مطابق آنحضور ﷺ کی شخصیت کے تضاد کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ پہلی جلد کا عنوان "Muhammad At Mecca" اور دوسری جلد کا عنوان "Muhammad At Medina" ہے۔ گویا اس کے نزدیک دو محمدؐ ہیں (ﷺ) ـــــ ایک مکّہ والے اور دوسرے مدینہ والے۔ العیاذ باللہ!

تضادِ ظاہری کی حقیقت

یہ جو بظاہر تضاد (contrast) نظر آتا ہے، جس پر مستشرقین نے ڈیرے جمائے ہیں، یہ دراصل "انقلاب" کے مراحل و لوازم کے تقاضوں سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی حیثیت صرف دیگر انبیاء و رُسل علیہم الصلوٰۃ والسلام والی نہیں ہے۔ آپؐ خاتم الانبیاء اور آخر المرسلینؐ ہیں۔ آپؐ پر نبوت و رسالت کی تکمیل ہوئی ہے۔ لہٰذا آپؐ کے سپرد یہ اضافی مشن بھی کیا گیا کہ آپؐ دین الحق کو بالفعل قائم، غالب اور نافذ فرمائیں۔ قرآن حکیم میں آپؐ کی یہ خصوصی و امتیازی شان قرار دی گئی ہے اور آپؐ کو یہ اہم ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ "وہ (اللہ) ہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ (قرآن مجید) اور دین الحق (کامل شریعت) کے ساتھ تاکہ وہ اس کو تمام نظام ہائے زندگی و اطاعت پر غالب کردے"۔ جب کہ عام نبوت کا غالب فرض منصبی دعوت، تبلیغ، تذکیر اور انذار و تبشیر ہے۔ چنانچہ منصب نبوت کی اس بنیادی ذمہ داری کے ضمن میں قرآن مجید میں بار بار یہ الفاظ آئے ہیں کہ ہمارے نبی اور رسول کے ذمہ سوائے پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے ـــــ لیکن نبی اکرم ﷺ پر بحیثیت خاتم الانبیاء اور آخر المرسلین اس اساسی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ ایک اضافی اور خصوصی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ آپؐ دین الحق کو عملاً غالب اور قائم کر کے دنیا کے سامنے اس کی ایک نظیر و مثال پیش فرما دیں تاکہ نوع انسانی پر ابد الآباد تک کے لئے حجت قائم ہو جائے۔

خصوصی منصب کے خصوصی تقاضے

اقامتِ دین کا کام درحقیقت ایک انقلابی جِدّوجُہد (Revolutionary Struggle) کا متقاضی ہے۔ ایک قائم شدہ نظام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر اس کی جگہ ایک صالح نظام کو قائم کرنے کے تقاضے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ یہ انقلاب صرف دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے نہیں آتا۔ اگرچہ اس میں بھی آغاز دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت ہی سے ہوگا اور اس میں تذکیر بھی ہوگی' تبشیر بھی اور انذار بھی ہوگا۔ لیکن اس کا ہدف یہ ہوگا کہ ان تمام کاموں کے نتیجہ میں ایک انقلابی جمعیت فراہم کرنا' اسے منظم کرنا' اس کی تربیت کرنا اور اس میں وہ تمام ضروری اوصاف پیدا کرنا جو کسی انقلاب کے لئے لازم اور ناگزیر ہیں ـــــ اور جب اس جمعیت میں مطلوبہ نظم اور ڈسپلن پیدا ہو جائے تو پھر اسے نظامِ باطل سے ٹکرا دینا۔ بقول علامہ اقبال ؎

با نشّۂ درویشی در ساز و دمادم زن!
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

صلح حدیبیہ کی مصلحتیں

چونکہ نبی اکرم ﷺ کے پیش نظر انقلاب کا یہ نقشہ تھا اور آپؐ کا دست مبارک ہر وقت حالات کی نبض پر رہتا تھا لہٰذا آپؐ نے جس وقت اور جس موقع پر جو بھی قدم اُٹھایا وہ درحقیقت اسی مقصد کے پیش نظر اُٹھایا۔ جب آپؐ نے یہ دیکھا کہ ابھی مہلت درکار ہے (جسے ہم کہتے ہیں to buy time) تو آپؐ نے اسی کے مطابق عمل فرمایا۔ حدیبیہ کے مقام پر بظاہر گر کر اور دب کر صلح کرنے میں یہی مصلحت تھی کہ ابھی وقت اور مہلت درکار تھی۔ قرآن مجید میں اس کی ایک اور مصلحت بھی بیان ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ اگر اُس وقت جبکہ حضور ﷺ ۶ھ میں حدیبیہ تک پہنچ گئے تھے' قریش سے مسلح ٹکراؤ ہو جاتا تو نہ صرف یہ کہ خونریزی بہت ہوتی بلکہ اندیشہ یہ تھا کہ بہت سے وہ مسلمان جو مکّہ میں موجود تھے لیکن اپنی بعض مجبوریوں کے باعث ہجرت نہ کر پائے تھے' مکّہ میں قریش کے ہاتھوں قتل کر دیئے جاتے۔ اس لئے کہ جنگ کے دوران اکثر اخلاقی اقدار اور قبائل کی

روایات کا لحاظ نہیں رہتا' جذبات کے عالم میں یہ سب پامال ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ جنگ کے ہنگامی حالات اور طوفانی کیفیات میں وہ خود حملہ آور مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مارے جاتے' جس کا ذکر سورۃ الفتح کی آیت ۲۵ میں بایں الفاظ کیا گیا کہ : ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ "اگر (مکہ میں) ایسے مومن مرد و عورت موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے' اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم نادانستگی میں انہیں پامال کر دو گے اور اس سے تم پر حرف آئے گا (تو جنگ نہ روکی جاتی)۔" اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلح تصادم ٹال دیا اور فریقین کے ہاتھ روک دیئے۔ چنانچہ اسی کا ذکر ہے سورۃ الفتح کی آیت ۲۴ کے اس حصہ میں ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ "وہی ہے جس نے مکّہ کی وادی میں اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیئے۔" تو یہ دو مصلحتیں تھیں جن کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر بظاہر توہین آمیز شرائط پر بھی صلح کر لی۔

دو سال بعد کی صورت حال

لیکن دو سال کے بعد حالات کافی بدل گئے۔ اب نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جِدّوجُہد کی کامیابی کے لئے فضا تیار ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ کا دست مبارک حالات کی نبض پر مستقل طور پر رہا ہے۔ آپؐ کو اب بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وقت مکّہ والوں میں کوئی دم خم موجود نہیں اور اب کسی خونریز مقابلہ کا سرے سے امکان ہی نہیں ہے۔ اب قریش میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ مقابلہ میں آسکیں۔

اس کے برعکس ان دو برسوں کے اندر دعوت و تبلیغ کے نتیجہ میں اب مسلمانوں کی قوت اس قابل ہو گئی تھی کہ فیصلہ کُن اقدام کیا جا سکتا تھا۔ پھر صلح ختم کرنے کی کوئی اخلاقی ذمہ داری مسلمانوں پر کسی طرح بھی عائد نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرما دیئے تھے کہ قریش کے ایک حلیف قبیلہ نے مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلہ پر حملہ کیا اور ان کو قتل کیا' حتیٰ کہ حرمِ محترم میں بھی ان کو امان نہیں ملی' وہاں بھی ان کا خون بہایا

گیا ـــــ اور اس خونریز معرکہ میں قریش نے بھی بھیس بدل کر اپنے حلیف قبیلہ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ صلح حدیبیہ کی ایک شرط کی اس خلاف ورزی کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے نہایت منصفانہ اور عادلانہ شرائط پیش فرمائیں کہ بنی خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے اور ان کے مالی نقصان کی تلافی کی جائے ـــــ یا یہ کہ قریش بنی بکر کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں تاکہ بنی خزاعہ اور مسلمان بنو بکر قبیلہ سے خود ہی نمٹ لیں۔ ان دونوں شرائط میں سے کوئی بھی منظور نہ ہو تو اعلان کر دیا جائے کہ آج سے صلح حدیبیہ ختم۔ قریش کے جوشیلے لوگوں نے جواب میں صاف صاف اعلان کر دیا کہ ہمیں تیسری بات منظور ہے۔ یعنی آج سے صلح حدیبیہ ختم۔ اس موقع پر ابو سفیان بھی خاموش رہے اور قریش کے دوسرے جہاں دیدہ اور زیرک سردار بھی ـــــ یہ تو ابو سفیان کا بعد کے غور و فکر کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے محسوس کیا کہ صلح حدیبیہ کو توڑنے کا اعلان کر کے ہم سے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب ہوا ہے۔ اسی لئے وہ دوڑے دوڑے مدینہ پہنچے اور انہوں نے تجدیدِ صلح کی کوششیں کیں جن میں ان کو ناکامی ہوئی۔ اس موقع پر اگر نبی اکرم ﷺ ابو سفیان کی پیش کش پر صلح کی تجدید فرما لیتے تو اس کے معنی یہ تھے کہ کفر اور شرک کو بلا ضرورت اور خواہ مخواہ عرب کے مرکز مکہ مکرمہ اور حرمِ محترم پر قابض رہنے کے لئے مزید مہلت دی جاتی' جسے آج کل کی اصطلاح میں Fresh Release of Existance کہا جاتا ہے ـــــ اب اس کی قطعی ضرورت تھی نہ حاجت۔ مشیتِ الٰہی نے قریش کی عقلوں پر پردے ڈال دیئے تھے اور انہوں نے خود ہی صلح حدیبیہ کے خاتمہ کا اعلان کر دیا تھا۔ اس طرح اس بشارت کے عملی ظہور کا وقت آ گیا تھا جو ہجرت سے متصلاً قبل سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ مبارکہ دی تھی :

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل : ۸۰ - ۸۱)

"اور (اے نبی) کہہ دیجئے : اے رب میرے! (جہاں بھی تو مجھے داخل کرے تو) مجھ کو داخل کر سچا داخل کرنا اور (جہاں سے بھی تو مجھے نکالے تو) نکال مجھ کو سچا نکالنا اور

مجھ کو عطا کر دے اپنے پاس سے حکومت کی مدد۔ اور (اے نبی) کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل نکل بھاگا۔ بے شک باطل ہے ہی بھاگ جانے اور مٹ جانے والا"۔

صورت حال کے ادراک و شعور کی ضرورت

یہ ہے اصل صورت حال جس کا ادراک و شعور ضروری ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر حضور ﷺ کا خصوصی مشن اور آپ ﷺ کا امتیازی منصب یعنی دین الحق کو بالفعل بنفس نفیس قائم کرنا نگاہوں کے سامنے نہ رکھا جائے تو کوتاہ نظری کے باعث یہ تضاد نمایاں نظر آئے گا کہ دو سال پہلے حضورؐ بظاہر اہانت آمیز شرائط پر صلح فرما رہے ہیں اور دو سال کے بعد مخالف فریق کا رئیسِ اعظم خود مدینہ آکر خوشامدیں کر رہا ہے' سفارشیں پہنچانے کی کوششیں کر رہا ہے کہ کسی طرح صلح کی تجدید ہو جائے' لیکن حضور ﷺ ہیں کہ اس کی بات پر توجہ ہی نہیں دے رہے۔

درحقیقت سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا صحیح فہم اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک یہ بات پیش نظر نہ ہو کہ اصل میں نبی اکرم ﷺ کو کیا مشن تفویض کیا گیا تھا اور وہ کیا خصوصی ذمہ داری تھی جو حضورؐ کے سپرد کی گئی تھی! الفاظِ قرآنی ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ ایک شوشہ کے تغیر کے بغیر سورۃ التوبہ' سورۃ الفتح اور سورۃ الصف میں وارد ہوئے ہیں۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن الفاظ مبارکہ کو پورے قرآن مجید کا عمود قرار دیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بالکل صحیح ہو گا کہ ان الفاظ مبارکہ کے ذریعے حضور ﷺ کو ایک صالح انقلاب عملاً برپا کرنے کا مشن سونپا گیا تھا۔ لہٰذا انقلاب کے جو مراحل ہیں ان میں سے ہر مرحلہ پر اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے' چاہے بظاہر اس میں تضاد نظر آ رہا ہو۔

تضادات کے ضمن میں نہایت غور طلب بات

جہاں تک ظاہری تضادات کا تعلق ہے سب سے نمایاں تضاد تو یہ نظر آتا ہے کہ مکہ میں بارہ برس تک حکم یہ ہے کہ مقابلے میں ہاتھ مت اُٹھاؤ' چاہے تمہارے ٹکڑے کر

دیئے جائیں، تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر تمہارے کباب بنانے کا سامان کیا جائے، تمہیں طرح طرح سے اذیتیں دی جائیں، تم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جائیں، تمہاری نگاہوں کے سامنے تمہاری دینی بہن (حضرت سُمیّہ رضی اللہ عنہا) کو انتہائی بہیمانہ طور پر شہید کر دیا جائے اور ان کے شوہر (حضرت یاسر رضی اللہ عنہ) کے جسم کے وحشیانہ طریق سے چیتھڑے اڑا دیئے جائیں۔ یہ سب کچھ جھیلو، برداشت کرو، تمہیں جوابی کارروائی تو کجا اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔

لیکن مدینہ آنے کے بعد انہی "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" کا اب حال یہ ہے کہ ﴿يُقٰتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ "وہ اللہ کی راہ میں قتال کر رہے ہیں، قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں" ـــــ تو بظاہر اس میں بھی بڑا نمایاں تضاد ہے۔ مگر یہ سارے تضادات صرف اسی طور سے حل ہوتے ہیں کہ انقلاب کے فلسفہ کو سامنے رکھ کر اس کے مختلف مراحل اور ہر مرحلہ کے مختلف تقاضوں کو سمجھنے کی معروضی کوشش کی جائے۔ اگر نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کو اسلامی انقلابی جدوجہد سمجھ کر اس کا مطالعہ کیا جائے گا تو یہ تمام مراحل ایک ڈور میں پروئے ہوئے موتی نظر آئیں گے اور فکر و نظر گواہی دیں گے کہ ہر مرحلہ صحیح ہے اور ہر اقدام اس مرحلہ کی مناسبت سے بالکل درست اور مناسب ہے۔

غزوۂ حنین و اوطاس، محاصرۂ طائف

فتح کے بعد کے چند اہم واقعات

فتح مکّہ کے بعد قریش کے بہت سے لوگ ایمان لے آئے اور مکّہ کے اردگرد کے بہت سے قبائل نے بھی از خود پیش قدمی کر کے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ لیکن ہوازن اور ثقیف کے قبائل پر اس کا الٹا اثر پڑا، جو طائف اور اس کے اردگرد کی سرسبز و شاداب وادیوں میں آباد تھے۔ یہ دونوں قبیلے بڑے جنگ جُو اور فنونِ حرب سے واقف تھے۔ طائف اور مکّہ کو بعض اعتبارات سے جڑواں شہروں (Twin Cities) کا مقام

حاصل تھا۔ طائف میں رؤسائے مکّہ کے باغات بھی تھے اور جائیدادیں بھی۔ پھران قبائل کے مابین تجارت بھی تھی اور رشتہ داریاں بھی ـــــ چنانچہ فتح مکّہ کے بعد یہ قبائل بڑے مضطرب ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ہماری باری ہے۔ لہٰذا دونوں قبیلوں کے سرداروں نے مشورہ کرکے طے کیا کہ اِس وقت مسلمان مکّہ میں جمع ہیں' ہم خود پیش قدمی کرکے پورے جوش و خروش اور زور و شور سے ان پر حملہ کردیں۔

ان حالات کی نبی اکرم ﷺ کو مکّہ میں خبر پہنچی تو آپؐ نے تحقیق و تصدیق کے بعد تیاریاں شروع کردیں اور بارہ ہزار جان نثاروں کے ہمراہ حنین کی طرف پیش قدمی کی۔ ان میں دس ہزار تو وہ قدسی شامل تھے جو مدینہ سے آئے تھے' باقی دو ہزار میں فتح مکّہ کے بعد ایمان لانے والے نو مسلم اور مشرکین بھی شریک تھے۔ یہ فوجیں حنین کی طرف بڑھیں۔ چنانچہ انقلابِ محمّدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے ضمیمہ اور تکملہ کے طور پر اگلے ہی مہینہ شوال ۸ھ میں غزوۂ حنین اور غزوۂ اوطاس ہوا اور حضور ﷺ نے طائف کا محاصرہ کرلیا۔ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک حضور ﷺ کے یہ آخری مسلح اقدامات تھے۔

غزوۂ حنین

ہوازن اور ثقیف کے قبائل کے جوش کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لے کر آئے تھے تاکہ ان کی حفاظت کی غرض سے ان کی فوجیں بڑی پامردی سے لڑیں' جانیں دے دیں لیکن کسی صورت میں بھی پسپائی اختیار نہ کریں۔ انہوں نے فوج کی ترتیب اس طرح کی کہ اپنے بہت سے تیرانداز دستوں کو پہاڑیوں اور گھاٹیوں پر تعینات کیا اور بقیہ فوج نے ڈوبدو جنگ کے لئے پہلے سے پہنچ کر میدان میں موزوں اور مناسب مقامات پر صف آرائی کرلی۔ اس موقع پر بعض مسلمانوں کی زبان سے اپنی کثرت کے زعم میں یہ الفاظ نکل گئے کہ "آج مسلمانوں پر کون غالب آسکتا ہے!" جب مسلمان تین سو تیرہ تھے تو ایک ہزار کے لشکر پر غالب آگئے تھے' اس موقع پر تو مسلمانوں کا بارہ ہزار کا لشکر تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ گھمنڈ پسند نہ تھا۔ لہٰذا اکثر مؤرخین کا بیان ہے کہ پہلے ہلّے ہی میں ہوازن اور ثقیف کے تیراندازوں نے مسلمانوں پر تیروں کی جو بوچھاڑ کی تو ایک عام

بھگدڑ مچ گئی اور بارہ ہزار کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ تاہم اس صورت میں بھی وہ پیکر مقدس میدان میں اپنی سواری پر جما رہا جو تنہا ایک فوج تھا' ایک اقلیم تھا' مجموعۂ کمالاتِ انسانیہ تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم! بعض روایات میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے ساتھ صرف چار سو جان نثار موجود تھے ـــــ بارہ ہزار کے لشکر میں سے صرف چار سو ـــــ بہرحال اِس موقع پر نبی اکرم ﷺ اپنی سواری سے اترے' علم ہاتھ میں لیا اور پوری حیاتِ مطہرہ میں پہلی بار پورے جلالِ نبوت کے ساتھ رجز پڑھا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپؐ نے بلند آواز سے فرمایا :

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ! اَنَا ابْنُ عبدِ المُطَّلِبْ!!

"میں اللہ کا نبی ہوں (اس میں ذرہ برابر) جھوٹ نہیں ہے' میں عبدالمطلب (جیسے شجاع) کا بیٹا ہوں۔"

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب ہی تھے۔ وہ بلند آواز بھی تھے۔ لہٰذا آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ انصار و مہاجرین کو پکارو ـــــ انہوں نے نعرہ لگایا :

یا معشرَ الانصار! یا اصحابَ الشجرۃ!

"اے گروہِ انصار' اے اصحابِ شجرہ! (بیعت رضوان والو!)"

اِن پُر تاثیر الفاظ کا کانوں میں پڑنا تھا کہ انصار و مہاجرین یہ کہتے ہوئے دفعتہ پلٹ پڑے کہ : لبّیک یا رسولَ اللّٰہ وسعدیک' نحن بین یدَیک ـــــ پھر جو مسلمانوں نے حملہ کیا تو اچانک جنگ کا نقشہ ہی پلٹ گیا۔ عارضی و وقتی شکست کامل فتح سے بدل گئی۔ بہت سے کافر کھیت رہے' اکثریت فرار ہو گئی اور جو باقی رہ گئے وہ اسیر بنا لئے گئے۔ بے شمار مالِ غنیمت' مویشی اور سامانِ حرب ہاتھ آیا۔

مغالطہ کا ازالہ

دس ہزار کا جو لشکر نبی اکرم ﷺ کے جلو میں آیا تھا ممکن ہے کہ ان میں کچھ ضعیف الایمان اور کچھ منافقین بھی شامل ہوں۔ ایک بڑے مجمع میں اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس لشکر میں دو ہزار کے لگ بھگ وہ افراد بھی تھے جن میں سے اکثر ایک ماہ قبل ایمان لائے تھے۔ رمضان ۸ھ میں مکّہ فتح ہوا ہے اور شوال ۸ھ میں غزوۂ حنین ہوا ہے۔ گویا ایمان کی حالت میں ان پر ایک ماہ سے زیادہ مدت نہیں گزری تھی۔ پھر اس دو

ہزار کی تعداد میں کچھ وہ لوگ بھی شامل تھے جو ابھی ایمان ہی نہیں لائے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ قبیلہ کی عصبیت یا مالِ غنیمت کے حصول کے لئے اسلامی لشکر کے ساتھ ہو گئے ہوں۔

بہرحال تھوڑے یا زیادہ لوگ اپنی کثرت پر نازاں تھے کہ آج ہمیں کون شکست دے سکتا ہے۔ چونکہ اُمّتِ مسلمہ کو پوری نوع انسانی کی رُشد و ہدایت' دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے بپا کیا جا رہا تھا لہٰذا غلطی پر تنبیہہ اور سزا بھی ضروری تھی۔ جیسا کہ غزوۂ اُحد کے موقع پر ہوا تھا کہ پینتیس افراد کی طرف سے اپنے لوکل کمانڈر کے حکم کی نافرمانی کی پاداش میں ابتدائی فتح شکست میں بدل گئی تھی اور ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید اور خود نبی اکرم ﷺ زخمی ہوئے تھے۔ چنانچہ غزوۂ حنین میں بھی کثرت پر جو ناز ہوا تھا اس پر یہ سزا ملی کہ ابتدا میں ہوازن و ثقیف کے تیراندازوں نے اسلامی لشکر کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طور پر یہ سبق دیا کہ حزب اللہ کا توکل اسباب پر نہ ہو بلکہ مسبب الاسباب پر ہو۔ حسب استطاعت مادی اسباب و وسائل ضرور فراہم کئے جائیں لیکن مؤمن کو تو ہر آن اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر نگاہ رکھنی چاہئے : ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ـــــ اللہ کے اِذن کے بغیر پتا تک جنبش نہیں کر سکتا۔ کسی کام کے لئے کتنے ہی اسباب و وسائل جمع ہو جائیں' لازم نہیں ہے کہ وہ کام حسب منشاء تکمیل پا جائے اور کسی شے کے لئے کچھ بھی وسائل و اسباب موجود نہ ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ شے عدمِ محض سے آنِ واحد میں وجود میں آ جائے۔ جب تک اللہ کی قدرتِ کاملہ پر اس نوع کا ایمان نہ ہو اور جب تک اُس (تعالیٰ) کی ذات پر کامل توکّل نہ ہو جائے اُس وقت تک درحقیقت وہ ابتدائی اوصاف (Pre-qualifications) اور وہ صلاحیتیں جو اسلام کو دنیا میں ایک کامل نظامِ زندگی کی حیثیت سے غالب' قائم اور نافذ کرنے کے لئے درکار ہیں' انہی کا فقدان ہے۔ اسلامی انقلاب جیسے عظیم ترین کام کے لئے تو وہ جماعت درکار ہے جس کے ہر ہر فرد میں یہ صفات پہلے وجود میں آ چکی ہوں کہ ان کا اللہ پر کامل ایمان و ایقان ہو اور ان کا کوئی تکیہ اور بھروسہ ظاہری اسباب و وسائل اور ذرائع پر نہ ہو بلکہ توکل خالصتاً اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو۔ اسی بات کو اذہان و قلوب میں راسخ کرنے کے لئے حنین میں وقتی و

عارضی شکست کے ذریعے مسلمانوں کو جھنجوڑ دیا گیا۔

اوطاس

کفار کی شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ مکّہ اور طائف کے درمیان اوطاس کے مقام پر رُک گیا اور ایک بڑا حصہ طائف جا کر پناہ گزین ہوا۔ ایک اور قبیلہ حشم کا سردار دُرَید بن الصمہ جو اپنی بہادری اور شاعری میں پورے عرب میں مشہور تھا' اس کی عمر اُس وقت سو برس سے بھی زیادہ ہو گئی تھی' لیکن طائف کا سردار مالک بن عوف اس کو چارپائی پر ڈال کر حنین لے گیا تھا تاکہ اس کے سو سالہ تجربات سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ حنین کی شکست کے بعد دُرَید اپنے قبیلہ کی کئی ہزار جمعیت لے کر اوطاس آیا' طائف کے جو لوگ یہاں رُک گئے تھے وہ بھی اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ کو برابر خبریں پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایک مختصر فوج ان کے استیصال کے لئے بھیج دی جس کے ہاتھوں اللہ نے فتح نصیب فرمائی۔ دُرَید قتل ہوا' جس کے بعد یہ جمعیت اپنے مقتولین کو چھوڑ کر منتشر ہو گئی۔ کچھ لوگ طائف چلے گئے اور کچھ اسیر بنا لئے گئے۔

محاصرۂ طائف

حنین اور اوطاس کی شکست خوردہ فوجیں طائف میں پناہ گزین ہوئیں اور طائف والوں کی مدد سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ یہاں ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا وہ قریش کا قریباً ہمسر تھا ـــــ نہایت شجاع' دلیر اور فنونِ جنگ سے واقف۔ عروہ بن مسعود یہاں کا رئیس تھا۔ سورۃ الزخرف میں مشرکین کا جو یہ قول نقل ہوا ہے : ﴿وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۝﴾ "اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اُترا یہ قرآن کسی بڑے شخص پر دو بستیوں میں سے"۔ قریتین سے ان کی مُراد مکّہ اور طائف کے شہر تھے اور طائف کے بڑے آدمی سے مراد یہی عروہ بن مسعود تھا۔ عروہ کا ذکر صلح حدیبیہ کے ضمن میں آچکا ہے۔ وہ بعد میں ایمان لے آئے تھے لہٰذا صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے۔

شہر طائف کے گرد مضبوط فصیل تھی اور وہاں ایک مضبوط قلعہ بھی موجود تھا' جس

میں طائف والوں نے سال بھر کا سامانِ خورد و نوش جمع کر لیا تھا۔ فصیل پر چاروں طرف منجنیق اور جابجا تیر انداز معین کر دیئے گئے تھے۔ اسلامی فوجوں نے محاصرہ کیا اور یہ پہلا موقع تھا جب اسلامی فوج کی طرف سے فصیل شکن آلات کا استعمال ہوا۔ طائف کے لوگوں نے فصیل کے اوپر سے لوہے کی گرم سلاخیں اور آگ برسائی اور اتنی شدت سے تیر پھینکے کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ بیس دن محاصرہ رہا لیکن شہر فتح نہ ہو سکا۔ نبی اکرم ﷺ نے مشاورت کے بعد محاصرہ اُٹھا لیا۔ اس موقع پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اہل طائف کے لئے بد دُعا فرمائیں۔ لیکن نبی رحمت ﷺ نے بد دعا کے بجائے یہ دُعا فرمائی : ((اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَائْتِ بِھِمْ)) "اے اللہ! ثقیف کو ہدایت بخش کہ وہ میرے پاس حاضر ہو جائیں"۔ رسول اللہ ﷺ کی دُعا قبول ہوئی اور محاصرہ اُٹھا لینے کے چند دنوں بعد ہی عروہ بن مسعود اپنے چیدہ چیدہ ساتھیوں کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ بعد ازاں انہی حضرات کی دعوت و تبلیغ سے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کے تمام افراد ایمان لے آئے۔

فراستِ نبویؐ کا عظیم شاہکار :
ایک خاص واقعہ

سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی سایہ دار ہموار شاہراہ پر چلنے (Smooth Sailing) والا معاملہ نہیں تھا کہ جس میں کوئی پیچیدگی نہ ہو' کوئی تکلیف نہ ہو' کوئی نشیب و فراز نہ ہوں اور انقلاب کی تکمیل ہو جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی انقلابی جدوجہد کی راہ میں جتنی مشکلات اور رکاوٹیں آسکتی ہیں وہ ہمیں آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں بتمام و کمال نظر آتی ہیں۔ نبوت و رسالت کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد حضورؐ کی بائیس تئیس سالہ حیاتِ طیبہ نہایت شدید اور جاں گسل جدوجہد میں گزری ہے اور آپؐ کو بے پناہ مصائب و مشکلات

کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ خود آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مجھ پر تنہا وہ سب تکلیفیں اور مشکلیں بیتی ہیں جو تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام پر بیتی تھیں ـــــ اگرچہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے' اگر اس کی مشیت ہوتی تو وہ اپنے محبوب ﷺ اور اپنے حبیب ﷺ کے پائے مبارک میں ایک کانٹا بھی چبھنے نہ دیتا اور انقلابِ اسلامی کی تکمیل بھی ہو جاتی' لیکن بالفعل ایسا نہیں ہوا۔ حضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو بے حد و حساب تکلیفیں جھیلنی پڑی ہیں' مصائب برداشت کرنے پڑے ہیں' بارہا آپؐ کو پیچیدہ سے پیچیدہ صورت حال سے عہدہ برآ ہونا پڑا ہے۔ مشرکین و کفار کی طرف سے استہزاء' تمسخر اور طعن و تشنیع سے جو ذہنی اذیت و کوفت آپؐ کو پہنچتی رہی ہے' وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ متعدد مواقع پر ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ لوگ جو حضورؐ کا کلمہ پڑھ رہے تھے ان کے ہاتھوں بھی نبی اکرم ﷺ کو شدید نوعیت کی قلبی و ذہنی کوفت اور اذیت اُٹھانا پڑی ـــــ آخر عبداللہ بن اُبی اور اس کے دوسرے منافق ساتھی بھی تو کلمہ گو تھے اور ان کا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ یہی عبداللہ بن اُبی ہے جس نے کئی بار مہاجرین و انصار میں پھوٹ ڈالنے' انہیں باہم دگر دست و گریباں کرانے اور مہاجرین کی توہین و تذلیل کی کوششیں کیں۔ اسی طرح ان منافقین نے غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق کے مواقع پر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے جو اوچھے ہتھکنڈے اختیار کئے وہ بھی آنحضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے انتہائی ذہنی اذیت کا باعث بنے۔

پھر یہی عبداللہ بن اُبی ہے جس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی' جس کے نتیجے میں نبی اکرم ﷺ کو انتہائی ذہنی و قلبی اذیت جھیلنی پڑی۔ پھر یہ کہ اس معاملے میں چند وہ لوگ بھی ملوث ہو گئے جو صادق الایمان تھے۔ اس لئے کہ انسان کی طبعی کمزوری کے پیشِ نظر اس میں ذہنی آمادگی رہتی ہے کہ کسی کے بارے میں بری بات بیان ہو تو اسے وہ جلد قبول کر لیتا ہے' جبکہ اگر کسی کے بارے میں اچھی بات بیان ہو تو اسے آسانی سے قبول نہیں کیا جاتا۔ واقعہ اِفک کے بعد جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا متواتر ایک مہینہ نہایت سخت کرب کی حالت میں گزرا۔ اس لئے کہ قریباً سوا مہینہ کے بعد

سورۂ نور نازل ہوئی جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی ہوئی تہمت کی تردید کی گئی اور آپؓ کی پاک دامنی کی شہادت دی گئی۔ اس واقعے کا بظاہر حیات النبی ﷺ کے انقلابی پہلو سے کوئی تعلق نہیں' تاہم یہ بات نہیں بھولنا چاہئے کہ انقلابی جدوجہد کے شدائد کے ساتھ ساتھ آپ کو ذہنی کوفت کے بدترین تجربات بھی ہوئے۔ مگر ذہن کو بری طرح متاثر کرنے والے یہ واقعات آپ کی انقلابی جدوجہد کو ذرا بھی متزلزل نہ کر سکے۔

غنائم اور اسیرانِ جنگ

ہوازن اور ثقیف کے قبائل بہت طاقتور اور دولت مند تھے۔ چنانچہ ان معرکوں میں کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ معتبر روایات میں مذکور ہے کہ قریباً چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بھیڑ بکریاں مالِ غنیمت میں ملیں۔ عرب کا اصل مال اور سرمایہ یہی مویشی ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں ڈھیروں مال و اسباب کے ساتھ چار ہزار اوقیہ چاندی بھی تھی جو مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ یہ قبائل اپنے بیوی بچوں کو بھی ساتھ لائے تھے تاکہ ان کے لشکر اپنے اہل و عیال کے تحفظ کی خاطر بے جگری سے لڑیں اور میدانِ جنگ سے پیٹھ نہ موڑیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد آگئی اور جب کافروں کو سزا دینے کا غیبی فیصلہ ہو گیا گویا ﴿وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ والی صورت حال عملاً پیدا ہو گئی تو ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور جان بچانے کے لئے جس کا جدھر منہ اُٹھا فرار ہو گیا۔ مال مویشی ہی کیا وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی چھوڑ بھاگے۔ چنانچہ مال مویشی کے علاوہ قریباً چھ ہزار افراد جن میں عورتوں بچوں کی عظیم اکثریت تھی اسیر بنالئے گئے (۱)۔

---

(۱) اِن اسیران میں شیما نامی ایک خاتون بھی تھیں جو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی اور حضور ﷺ کی رضاعی بہن تھیں۔ گرفتاری کے موقع پر انہوں نے کہا کہ "میں تمہارے نبی کی بہن ہوں"۔ لوگ تصدیق کے لئے فوراً ان کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضرت شیما نے پہچان کے طور پر اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی' کیونکہ حضور ﷺ نے ایک دفعہ بچپن میں پیٹھ پر دانتوں سے کاٹا تھا' اس کا نشان موجود تھا۔ حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپؐ نے ان کے بیٹھنے کے لئے »

تقسیمِ غنائم اور ایک پیچیدہ صورتِ حال

مختصراً یہ کہ اس غزوۂ کی فتح کے نتیجے میں بے شمار مال و اسباب ہاتھ آیا —— صدقات کی تقسیم کے لئے سورۂ توبہ میں جو مدات بیان ہوئی ہیں ان میں ایک مد "اَلْمُؤَلَّفَةُ قُلُوْبُهُمْ" بھی ہے۔ یعنی وہ لوگ بھی ان صدقات کے مستحق ہیں جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے غنائم کی تقسیم میں قریش کے ان لوگوں کو زیادہ نوازا جو فتح مکہ کے بعد نئے نئے ایمان لائے تھے۔ ان میں سے بھی خاص طور پر جو قریش کے مختلف گھرانوں کے سربراہان اور سردار تھے ان کو مالِ غنیمت میں سے نسبتاً زیادہ حصہ عطا فرمایا۔

اب اس تقسیم پر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں' کیونکہ اس عمل میں اتفاقی اور واقعاتی اعتبار سے یہ صورت حال موجود تھی کہ مکہ والے بہرحال نبی اکرم ﷺ کے قبیلہ کنبہ کے لوگ تھے' آپؐ کے رشتہ دار تھے۔ اگرچہ یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ اگر مکہ کے لوگ آپؐ کے ہم قبیلہ اور رشتہ دار نہ ہوتے تب بھی حضورؐ ان کے ساتھ یہی معاملہ کرتے۔ اب صورت واقعہ یہ بنی کہ اگرچہ حضورؐ یہ معاملہ تالیف قلبی کی غرض سے فرما رہے تھے لیکن بالفعل تو معاملہ یہ ہو گیا کہ یہ تالیف قلب جن کی ہو رہی تھی وہ آپؐ کے رشتہ دار اور کنبے قبیلے والے لوگ تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لشکر میں جو تھوڑے بہت منافقین شامل تھے' اب ان کو موقع مل گیا اور انہوں نے اس معاملے کو خوب اُچھالا —— اور یہ معاملہ چونکہ بہت نازک (Sensitive) تھا لہٰذا منافقین کے پروپیگنڈے سے عام مسلمانوں میں بھی تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ لوگ بھی انسان ہی تھے اور انسان کی جو طبعی و فطری کمزوریاں ہیں وہ تو موجود رہتی ہیں۔ چنانچہ قرآن نے اسی حقیقت کو کہیں یوں بیان

»» خود اپنی رداءِ مبارک بچھائی' دلجوئی کی باتیں کیں' چند اونٹ اور بکریاں مرحمت فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ جی چاہے تو میرے ساتھ چل کر رہو یا گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ پہلے تو وہ ایمان لائیں' پھر عرض کیا کہ مجھے میرے اہل خاندان تک پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ ان کو عزت و احترام کے ساتھ ان کے قبیلہ میں پہنچا دیا گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ (مرتب)

فرمایا ہے کہ : ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾ کہیں اس طرح کہ : ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ اور کہیں یوں کہ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا﴾ ـــــ یعنی انسان میں خلقی طور پر کچھ کمزوریاں رکھی گئی ہیں' تب ہی تو وہ امتحان اور آزمائش کے اندر ڈالا گیا ہے۔ اگر وہ ہر اعتبار سے کامل (Perfect) ہوتا' اس کی خلقت میں کسی پہلو سے بھی کوئی نقص نہ ہوتا تو پھر وہ فرشتہ ہوتا' پھر اس کے امتحان کی کیا احتیاج تھی؟۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اس واقعے سے مسلمانوں میں ایک عام بے چینی پھیل گئی اور خاص طور پر انصار میں سے بہت سے مسلمانوں کی زبانوں پر' جن میں مومنینِ صادقین بھی شامل تھے' یہ بات آ گئی کہ :

"دیکھا! جب جان دینے کا وقت آتا ہے' قربانیوں کا موقع ہوتا ہے تو ہم (یعنی مدینہ والے انصار) یاد آتے ہیں اور جب مالِ غنیمت کی تقسیم کا مرحلہ آیا ہے تو تکہ والے' اپنے قبیلے والے' اپنے اعزہ و اقرباء یاد آ گئے۔"

یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی تھی اور چہ میگوئیوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے گوش مبارک تک یہ تمام باتیں پہنچ رہی تھیں اور حضور ﷺ کے قلب پر جو کیفیات گزر رہی ہوں گی اس کا احساس ہر حساس شخص کر سکتا ہے۔

خطابتِ نبویؐ کا شاہکار

نبی اکرم ﷺ نے اس پیچیدہ صورت حال کو جس عمدگی سے حل فرمایا وہ درحقیقت حضورؐ کی فراست اور حسنِ تدبیر کا شاہکار ہے۔ یہ اور اسی نوعیت کی دیگر باتیں ہیں جن پر مستشرقین دنگ رہ جاتے ہیں' چاہے وہ منٹگمری وہاٹ ہو' چاہے ایچ جی ویلز ہو' چاہے کوئی اور نامی گرامی مستشرق' کہ یہ انسانی فطرت اور نفسیات سے واقفیت! یہ انسان شناسی! ـــــ اور یہ صلاحیت کہ پیچیدہ سے پیچیدہ صورت حال کو خوب صورتی سے حل کر لینا' یہ تمام اوصاف اُس ذاتؐ میں بدرجہ کامل جمع تھے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ انگریزی زبان میں تعریف و توصیف کے کوئی الفاظ ایسے باقی نہیں رہ گئے جو مسٹر منٹگمری وہاٹ نے اپنی کتاب "Mohammad at Medina" میں حضورؐ کے لئے استعمال نہ کر دیئے ہوں۔ اس نے لکھا ہے کہ : اعلیٰ ترین تدبّر و تفہم' معاملہ فہمی' انسان شناسی' دُور اندیشی' ان تمام اعتبارات سے جو اوصاف کسی بلند پایہ مدبر' کسی سیاست دان' کسی حکمران' کسی

Statesman کے اندر ہونے چاہئیں وہ بتمام و کمال محمد (ﷺ) میں موجود تھے۔

اسی فراست اور حسن تدبیر کی ایک نمایاں مثال ہے جو اس واقعہ میں سامنے آتی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ چہ میگوئیاں سننے کے بعد حضور ﷺ نے ایک بہت بڑا خیمہ لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک بہت بڑا خیمہ نصب کیا گیا۔ پھر آپؐ نے تمام انصار رضی اللہ عنہم کو وہاں جمع کر لیا۔ وہاں آپؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ فصاحت و بلاغت کی معراج کے علاوہ فراست و ذکاوت اور تدبر نبویؐ کے ساتھ ساتھ علم نفسیات انسانی کے ادراک میں آپؐ کی مہارت کا بھی شاہکار ہے۔ حضورؐ نے انصارؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

"اے معشر الانصار! کیا یہ درست نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے' اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہیں ہدایت بخشی؟"۔

انصارؓ نے بیک زبان یہی جواب دیا : "بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ" (کیوں نہیں' اے اللہ کے رسول!) پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا :

"یا معشر الانصار! کیا یہ درست نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے' میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر اُلفت و محبت اور اتفاق پیدا فرمایا؟"(۱)

پھر حضور ﷺ نے فرمایا :

"یا معشر الانصار! کیا یہ درست نہیں ہے کہ تم مفلس تھے' اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہیں غنی کر دیا؟"

اس طرح آپؐ وہ احسانات و انعامات گنواتے چلے گئے جو حضور ﷺ کے ذریعہ سے

---

(۱) اشارہ ہے اس دشمنی کی طرف جو اوس و خزرج کے قبائل میں برسوں سے نسلاً بعد نسل چلی آ رہی تھی جس کے باعث وقفہ وقفہ سے ان میں بار بار انتہائی خونریز اور خوفناک جنگیں ہوتی رہتی تھیں اور یہ دونوں قبیلے قریباً ختم ہوا چاہتے تھے اگر نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف نہ لا چکے ہوتے۔ اسی کا ذکر ہے سورۂ آل عمران میں بایں الفاظ مبارکہ :

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ﴾

انصار پر بالخصوص اور نوعِ انسانی پر بالعموم ہوئے تھے۔ اور ہر ہر جملہ پر تمام انصار رضی اللہ عنہم بیک زبان عرض کرتے رہے کہ : "بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" (کیوں نہیں! اے اللہ کے رسولؐ ہم تسلیم کرتے ہیں)

اس ارشاد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطاب کا رُخ بدلا اور ارشاد فرمایا :

"یا معشر الانصار! تم جواب میں یہ کہہ سکتے ہو کہ : اے محمد! (ﷺ) جب تمہاری قوم نے تمہیں جھٹلایا' تمہاری تکذیب کی تو ہم تم پر ایمان لائے اور ہم نے تمہاری تصدیق کی ـــــ میں جواب میں کہوں گا کہ تم صحیح کہتے ہو"۔

پھر فرمایا :

"یا معشر الانصار! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ جب تمہارے دشمنوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا تو ہم نے تمہیں پناہ دی ـــــ میں جواب میں کہوں گا کہ تم صحیح کہتے ہو۔"

پھر حضورؐ نے فرمایا :

"یا معشر الانصار! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اے محمد (ﷺ) تمہارا کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا' ہم نے اپنی جانیں دی ہیں' ہم نے اپنا خون بہایا ہے جس کی بدولت آپؐ کو یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے ـــــ اور میں جواب میں کہوں گا کہ تم صحیح کہتے ہو۔"

نبی اکرم ﷺ کے اس پُر تاثیر خطبہ سے جب جذبات کی ایک خاص فضا پیدا ہو گئی تو آپؐ نے ایک بار پھر خطاب کا رُخ بدلا اور ارشاد فرمایا :

"یا معشر الانصار! کیا تمہیں یہ پسند اور منظور نہیں ہے کہ لوگ اونٹ بھیڑیں اور بکریاں لے کر اپنے گھروں کو واپس جائیں ـــــ اور تم محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے گھروں کو واپس لوٹو؟"

اس پر شدت جذبات سے تمام انصار رضی اللہ عنہم کی چیخیں نکل گئیں اور وہ سب بیک زبان پکار اُٹھے :

"رضینا۔ رضینا۔ رضینا" ـــــ ہم بالکل راضی ہیں (ہمیں نہ اونٹ چاہئیں نہ بھیڑیں اور بکریاں۔ ہمیں تو صرف اللہ کے رسول محمد ﷺ درکار ہیں۔)

مجمع میں اکثر کا یہ عالم تھا کہ روتے روتے بے حال ہو گئے۔ آنسوؤں سے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے انصارؓ کے سامنے یہ حکمت بیان فرمائی کہ مکہ کے

لوگ تازہ تازہ ایمان لائے ہیں' ان کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ کسی ناحق جانبداری کی بنا پر نہیں دیا گیا ہے بلکہ تالیف قلب کے لئے دیا گیا ہے۔

اس انتہائی نازک اور پیچیدہ صورت حال پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بالکل اتفاقیہ امر تھا کہ واقعتاً جن کی تالیف قلب کی گئی وہ نبی اکرم ﷺ کے قبیلہ والے تھے' بہت سے حضورؐ کے رشتہ دار تھے۔ لہٰذا ایسی صورت حال پیدا ہو جانا بالکل فطری تھا ـــــ لیکن فراست نبویؐ اور آپؐ کے حسن تدبیر نے کس خوبی سے اسے حل کیا! الغرض کسی بھی دوسرے انقلاب کے جو بھی اساسی تقاضے (Pre-requisites) ہوتے ہیں وہ سب کے سب آپؐ کی انقلابی جدوجہد میں پورے کئے گئے تب وہ انقلاب برپا ہوا جو بلاشبہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب تھا۔

اسیرانِ جنگ کی رہائی

مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد اسیرانِ جنگ کی باقاعدہ تقسیم کا مسئلہ پیش آیا۔ یہ تمام افراد اس وقت تک جعرانہ میں محفوظ تھے۔ اصول کے مطابق ان کو لشکر میں شریک لوگوں میں تقسیم کرنا باقی تھا کہ ہوازن و ثقیف کی جانب سے ایک معزز سفارت نبی اکرم ﷺ کے خیمہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسیرانِ جنگ کی رہائی کی درخواست پیش کی۔ رئیس سفارت نے کھڑے ہو کر حضورؐ کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے محمدؐ (ﷺ) جو عورتیں محبوس اور اسیر ہیں ان میں تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں۔ تم نے ہمارے قبیلہ کی ایک خاتون کا دودھ پیا ہے۔ (مُراد ہیں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا) لہٰذا ہم سب تمہارے قرابت دار ہیں۔ خدا کی قسم! اگر سلاطینِ عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بھی کچھ امیدیں وابستہ ہوتیں اور تم سے تو کہیں زیادہ توقعات ہیں" ـــــ نبی اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ خاندانِ عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہو گا وہ میری طرف سے آزاد ہے۔ لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے اجتماع میں یہ درخواست پیش کرو۔ چنانچہ نمازِ ظہر کے بعد رئیس سفارت نے یہ درخواست مجمع میں پیش کی ـــــ حضورؐ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "مجھے صرف اپنے خاندان پر اختیار

ہے جس کا حصہ میں چھوڑتا ہوں' اور تمام مسلمانوں سے بھی اسیران کی رہائی کی سفارش کرتا ہوں۔" مہاجرین و انصار اور دوسرے لوگ پکار اُٹھے "ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔" چنانچہ اس طرح دفعتاً چھ ہزار اسیران آزاد ہو گئے۔ (جاری ہے)

بقیہ : پاکستان میں اسلامی انقلاب ....

﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ یعنی "(مجھے واعظ نہ سمجھنا) مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل قائم کروں" ـــــ سورۃ الحدید میں فرمایا گیا کہ "ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں اور ہدایات دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری ﴿ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ تاکہ لوگ عدل و انصاف پر کاربند ہوں۔" اور جن لوگوں نے دوسروں کے حقوق غصب کئے ہوں کیا وہ آسانی سے لوٹا دیں گے؟ شیر کے منہ سے نوالہ نکالنا آسان کام تو نہیں ہے۔ جو جاگیردار بنے بیٹھے ہیں وہ اپنی جاگیریں آسانی سے تو نہیں چھوڑ دیں گے' لہٰذا وہ اس نظامِ عدل کے راستے میں مزاحم ہوں گے۔ فرمایا گیا کہ ایسے عناصر کی سرکوبی کیلئے ہم نے لوہا اتارا ہے جس سے تلواریں بنتی ہیں' اِن سے اُن لوگوں کی سرکوبی کرو جو اللہ کے دین' اِس نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے راستے میں رکاوٹ بنیں گے۔ فرمایا : ﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ' اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ "اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کیلئے منافع ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ اللہ یہ معلوم کرے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے"۔ یہاں تک "اسلامی انقلاب ـــــ کیا؟" کا جواب ہم نے دو اعتبار سے دیکھ لیا۔ اب ہم اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے "اسلامی انقلاب ـــــ کیوں؟" کے جواب پر غور کریں گے۔ (جاری ہے)

رمضان المبارک کے دوران
دورۂ ترجمۃ القرآن کے پروگرام
تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب غربی

(۱) دفتر مسلم لیگ' ایم پی اے ہاؤس' نزد تالاب والی مسجد' سانگلہ ہل (بزبانِ پنجابی)
مدرس : چوہدری رحمت اللہ بٹر
(۲) مرکزی دفتر انجمن خدام القرآن' صادق مارکیٹ ریلوے روڈ فیصل آباد
مدرس : جناب رشید عمر

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شرقی

لاہور وسطی :

لاہور وسطی میں درج ذیل چار مقامات پر بذریعہ ویڈیو دورۂ ترجمۃ القرآن کے پروگرام ہوں گے :
(۱) بر مکان محمد احمد صاحب ۲۴۔ مین بازار' قصور پورہ' راوی روڈ' لاہور۔
(۲) بر مکان نثار احمد خان۔ مکان نمبر ۱/۲۰ گلی نمبر بی/۵۵' خیبر پارک نمبر ۲' سنت نگر' لاہور۔
(۳) ۴۳۔ لئیق منزل' چوہان روڈ' اسلام پورہ' لاہور
(۴) بر مکان رحم علی۔ ۱/۹ الریاض کالونی' عقب مسجد الریاض کالونی مین روڈ' لاہور۔

لاہور غربی فیروز والہ :

(۱) جامع مسجد العزیز رچنا ٹاؤن' الشیخ ہسپتال بازار فیروزوالہ' مدرس : حافظ علاؤ الدین

لاہور جنوبی :

(۱) بر مکان اخلاق احمد فاروقی۔ ۴۴۔ منظور پارک' نواں کوٹ' لاہور
(۲) بر مکان امیر الدین۔ داروغہ سٹریٹ نمبر اے۔۳' چاہ وزیر والا ڈھولن وال' لاہور۔
(۳) فلیٹ نمبر ۴' نزد بسم اللہ سٹور' کینال ویو ہاؤسنگ سوسائٹی' لاہور۔
(۴) بر مکان فیاض اختر میاں۔ ۳۴ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور
(۵) بر مکان سید احمد حسن شاہ۔ ڈی۔۴۹ انکم ٹیکس کالونی' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور
(۶) بر مکان محمد عباس' امام دین سٹریٹ' مکان نمبر ۱' گلی نمبر ۱' چوک عاشق آباد' رحمان پورہ' لاہور۔
(۷) بر مکان محمد سلیم قمر۔ مکان نمبر ۱ ۴/۹۳' سٹریٹ نمبر اے/۹/۳۹ محمد علی روڈ' دوپٹہ کالونی' اچھرہ'

صیام وقیامِ رمضان کی فضیلت

اور چند ضروری وضاحتیں

فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

یہ بات احادیث کی روشنی میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو رمضان المبارک کی آمد پر خوشخبری سنایا کرتے تھے' اور ساتھ ساتھ آپ یہ بھی بتاتے کہ یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں رحمت اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((إِذَا كَانَتْ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ' وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ ' وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ' وَيُنَادِي مُنَادِيٌ يَابَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ' وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ' وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ)) (۱)

"جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور اس کا کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا۔ شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اور پکارنے والا بلند آواز سے پکارتا ہے : "اے بھلائی کے طلب گار! آگے بڑھ اور اے برائی کے طلب گار! رُک جا"۔ اللہ کی رحمت سے متعدد لوگ آگ سے نجات پانے والے ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ ہر رات برابر چلتا رہتا ہے"۔

نبی اکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا :

((جَاءَ كُمْ شَهْرُ رَمَضَانَ شَهْرُ بَرَكَةٍ يَغْشَاكُمُ اللّٰهُ فِيْهِ فَيُنْزِلُ الرَّحْمَةَ وَيَحُطُّ الْخَطَايَا وَيَسْتَجِيْبُ الدُّعَاءَ' يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى تَنَافُسِكُمْ فِيْهِ فَيُبَاهِي بِكُمْ مَلَائِكَتَهُ' فَاَرُوا اللّٰهَ مِنْ اَنْفُسِكُمْ خَيْرًا' فَاِنَّ الشَّقِيَّ مَنْ حُرِمَ فِيْهِ رَحْمَةَ اللّٰهِ)) (۲)

"تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آچکا ہے جو سراپا برکت مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت کی چھاؤں کر دے گا' گناہ دھو دے گا' دعائیں قبول فرمائے گا' اللہ تعالیٰ نیک کاموں میں تمہاری مسابقت کو توجہ سے دیکھے گا' پھر تمہارے ان اعمال صالحہ کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا اچھا کردار پیش کرو۔ جو کوئی اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہا' وہ انتہائی بدبخت ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے فضائل رمضان کو مزید تفصیل کے ساتھ یوں بیان فرمایا :

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ' وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ' وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (۳)

"جس شخص نے ایمان کے تقاضے کے تحت اور اجر و ثواب کی غرض سے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو گئے۔ اور جس شخص نے ایمان کے تقاضے کے تحت اور اجر و ثواب کی خاطر رمضان المبارک (کی راتوں) کا قیام کیا اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو گئے۔ اور جس شخص نے تقاضاءِ ایمان کی بنا پر اور اجر و ثواب کی خاطر لیلۃ القدر کا قیام کیا اس کے بھی سابقہ سارے گناہ معاف ہو گئے۔"

حضور اکرم ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ' اِلَّا الصِّيَامَ فَاِنَّهُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ' تَرَكَ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ مِنْ اَجْلِيْ' لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ' وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ)) (۴)

"آدم زاد کی ہر نیکی (کا اجر) دس گنا سے سات سو گنا تک ہے' ماسوائے روزہ کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا۔ اس لئے کہ اس نے اپنی خواہش نفس' اپنا کھانا' اپنا پینا صرف مجھے راضی کرنے کی خاطر چھوڑا۔ روزے دار کے لئے دو خوشیاں ہیں' ایک خوشی افطار کے وقت' دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔ روزے دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو کستوری کی خوشبو سے زیادہ عزیز ہے۔"

رمضان المبارک کے روزوں کے فضائل' رمضان کی راتوں میں قیام بالقرآن کے فضائل اور عام دنوں میں روزہ رکھنے کے فضائل بیان کرنے والی احادیث کثرت سے موجود ہیں۔ چنانچہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس قیمتی موقع سے فائدہ اٹھائے۔ اور اس سے زیادہ کسی بندے پر اللہ کا احسان کیا ہوگا کہ اس کی زندگی میں ایک بار پھر رمضان کا مبارک مہینہ آگیا ہے۔ چنانچہ ہر طرح کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف لپک کر پہنچے اور ہر گناہ سے بچے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرائض کو پوری دل جمعی اور کوشش سے ادا کرے اور بالخصوص پانچوں نمازیں' یہ اسلام کا بنیادی ستون ہیں۔ کلمۂ توحید ادا کرنے کے بعد سب سے پہلے اور سب سے بڑا فرض بھی یہی نمازیں ہیں۔ چنانچہ ہر مسلمان مَرد و عورت کی ذمہ داری ہے کہ نماز پابندی سے ادا کرے' بروقت اور پورے خشوع اور اطمینان کے ساتھ۔

نماز کے معاملے میں مَردوں کی اضافی اور اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اسے باجماعت ادا کریں اور مسجد میں جاکر۔ مسجد ایک ایسی جگہ ہے جہاں باآوازِ بلند اللہ کے ذکر کی اجازت ہے۔ باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا :

﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ﴾

(البقرۃ : ۴۳)

"نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو' اور جو لوگ میرے آگے جُھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جُھک جاؤ"۔

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے :

﴿ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ ﴾

(البقرۃ : ۲۳۸)

"اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو اور بالخصوص درمیان والی نماز (عصر) کی' اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرماں بردار غلام کھڑے ہوتے ہیں۔"

مزید ارشاد ربانی ہے :

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○ ﴾

(المؤمنون : ۱'۲)

"یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے' جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔"

اسی سورۃ میں آگے چل کر ارشاد فرمایا :

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ○ اُولٰئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ○ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ' هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○ ﴾ (المؤمنون : ۹-۱۱)

"یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

نماز کی اہمیت و مقام ذکر کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ' فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ)) (۵)

"ہمارے اور کافروں کے درمیان حد فاصل نماز ہے' جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔"

نماز کے بعد اہم ترین فریضہ زکوٰۃ کا ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ○ ﴾ (البینة : ۵)

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر' اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ فرمان یوں ہے :

﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ

تُرْحَمُوْنَ﴾ (النور : ۵۶)

"نماز قائم کرو' زکوۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو' امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ سے یہ بات نہایت واضح لفظوں میں ثابت ہے کہ جو شخص اپنے مال کی زکوۃ ادا نہیں کرتا قیامت کے روز اسے اسی کے مال کے ذریعے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ نماز اور زکوۃ کے بعد اہم ترین کام رمضان المبارک کے روزے رکھنا ہے۔ اور یہ اسلام کے اُن پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رُکن ہے جن کی اہمیت آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان سے ثابت ہے' فرمایا :

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ' شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِیْتَاءِ الزَّكَاةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَیْتِ)) (۶)

"اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: (۱) لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوۃ ادا کرنا۔ (۴) رمضان کے روزے رکھنا۔ (۵) بیت اللہ کا حج کرنا۔"

ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جن باتوں اور کاموں کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے ان سے اپنے روزے اور قیام کو محفوظ رکھے' اس لئے کہ روزے کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو' اس کی طرف سے مقرر کردہ محترم چیزوں کی تعظیم ہو' اللہ رب العالمین کی اطاعت کی بجا آوری میں خواہش نفس کے خلاف جہاد ہو ـــــ اور جن جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اپنے نفس کو ان سے باز رہنے کی تربیت دی جائے' کیونکہ روزے کا اصل مقصد کھانا' پینا یا دیگر مفطرات کا چھوڑ دینا ہی نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ ' فَاِذَا كَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ' فَاِنْ سَابَّهُ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهُ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ)) (۷)

"روزہ ڈھال ہے' جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو بے ہودہ بات نہ

کرے اور نہ جھگڑا کرے' اور اگر کوئی اسے گالی دے جائے یا لڑائی کرنے لگے تو کہہ دے : "میں تو روزے سے ہوں"۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ وَالْجَهْلَ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ)) (۸)

"جو آدمی غلط بات' غلط کام اور بدسلوکی سے باز نہ آئے' پھر اللہ کو تو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ آدمی اپنا کھانا پینا چھوڑ بیٹھے"۔

مذکورہ بالا نصوص کے علاوہ دیگر نصوص سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر روزہ دار کی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ تمام چیزوں سے بچتا رہے' اور فرض کردہ تمام اعمال پر کاربند رہے۔ اسی شکل میں امید کی جاسکتی ہے کہ اس کی مغفرت ہوگی اور وہ آگ سے بچ جائے گا اور اس کا صیام و قیام اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور و مقبول ہوگا۔

نمازِ تراویح اطمینان سے ادا کی جائے

جن مسائل کا حکم بعض حضرات پر پوشیدہ رہ جاتا ہے ان میں سے ایک اہم مسئلہ دورانِ نماز اطمینان و سکون کا ہے' خواہ نماز فرض ہو یا نفل۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دورانِ نماز اطمینان و سکون کو رُکن قرار دیا ہے' اس کے بغیر نماز صحیح نہیں۔ اطمینان کا مطلب ہے کہ نماز ٹھہر ٹھہر کر اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جائے' جلدی نہ کی جائے' حتیٰ کہ ہر جوڑ اپنے اصل مقام پر واپس آجائے۔ رمضان المبارک میں لوگوں کی ایک بڑی اکثریت اس طرح تراویح ادا کرتی ہے کہ نہ تو انہیں قرآن سمجھ آتا ہے اور نہ ہی اطمینان سے نماز ادا کرتے ہیں بلکہ صرف ٹھونگے مارتے ہیں۔ اس شکل میں نماز جائز نہیں اور ایسے نمازی کو ثواب کے بجائے الٹا گناہ ملے گا۔

تراویح کی تعدادِ رکعات کا مسئلہ

بعض حضرات پر تراویح کی تعدادِ رکعات کا معاملہ اُلجھا ہوا ہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھ

بیٹھے ہیں کہ بیس رکعت سے کم تراویح پڑھنا صحیح نہیں اور کسی نے یہ خیال پختہ کرلیا ہے کہ گیارہ یا تیرہ رکعت سے زیادہ پڑھنا صحیح نہیں۔ یہ دونوں ہی خیال برمحل نہیں' بلکہ غلط ہیں اور دلائل کے خلاف ہیں۔ صحیح احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت یہ ہے کہ رات کی نماز یعنی تراویح اور تہجد کا معاملہ وسعت و گنجائش والا ہے۔ اس کی کوئی ایسی حد مقرر نہیں جس میں کمی بیشی گناہ ہو' اگرچہ ثابت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ رات میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور کبھی تیرہ بھی۔ بسا اوقات رمضان المبارک یا دوسرے دنوں میں اس سے کم رکعت بھی پڑھی ہیں۔ اور جب نبی اکرم ﷺ سے رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا :

((مَثْنٰی مَثْنٰی' فَاِذَا خَشِیَ اَحَدُکُمُ الصُّبْحَ صَلّٰی رَکْعَةً وَاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰی)) (۹)

"رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ پھر جب صبح کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ لے' یہ ایک رکعت سابقہ ساری نماز کو وتر بنا دے گی۔"

رات کی نماز کے ضمن میں رمضان یا دوسرے دنوں کے لئے تعداد رکعات کو آپ ﷺ نے معین نہیں فرمایا۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عہدِ فاروقی میں بسا اوقات تئیس رکعت پڑھی ہیں اور بسا اوقات گیارہ رکعت۔ یہ سب صورتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہیں اور آپؓ کے زمانے میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی۔

سلف صالحین میں سے کچھ حضرات چھتیس رکعت اور اور تین وتر پڑھا کرتے تھے اور کچھ دوسرے اکتالیس رکعت۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور کچھ دوسرے اہل علم نے ان روایات کا تذکرہ کیا ہے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس معاملے میں وسعت اور گنجائش موجود ہے' اور اس اختلاف میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ جو آدمی لمبی قراءت اور لمبا رکوع و سجود کرنا چاہے اس کے لئے تھوڑی رکعات افضل ہیں اور جو آدمی ہلکی قراءت اور مختصر رکوع و سجود پر اکتفا کرنا چاہے وہ تعداد رکعات میں اضافہ کر لے۔ ہم نے شیخ الاسلام کی گفتگو بالمعنیٰ ذکر کی ہے۔

جو شخص رمضان میں امام کے ساتھ نماز شروع کرے اس کے لئے افضل یہی ہے کہ

وہ امام کے ساتھ ہی نماز مکمل کرے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

((اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَامَ مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰی یَنْصَرِفَ کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ قِیَامَ لَیْلَةٍ)) (۱۰)

"جب کوئی آدمی امام کے ساتھ قیام کرے اور نماز سے فراغت تک امام کے ساتھ رہے اللہ تعالیٰ اس آدمی کے حق میں ساری رات کا قیام لکھ دیتے ہیں۔"

اس مبارک مہینے میں تمام مسلمانوں کو حتی الامکان ہر قسم کی عبادات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے' مثلاً نفل نماز' قرآن کریم کی تلاوت' اس میں تدبر یعنی سوچ بچار' سبحان اللہ' الحمدللہ' لاالٰہ الااللہ اور اللہ اکبر کا کثرت سے ذکر' دیگر مستحب و مسنون دعائیں' امر بالمعروف و نہی عن المنکر' اللہ کے دین کی طرف بندگانِ خدا کو دعوت' غریبوں' مسکینوں سے ہمدردی' والدین کی خدمت' صلہ رحمی' پڑوسیوں سے حسن سلوک' مریضوں کی عیادت' اور ان کے علاوہ جتنے بھی نیکی کے کام ہو سکتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا مندرجہ ذیل فرمان پہلے بھی گزر چکا ہے :

((یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰی تَنَافُسِکُمْ فِیْهِ فَیُبَاهِی بِکُمْ مَلَائِکَتَهٗ فَاَرُوا اللّٰهَ مِنْ اَنْفُسِکُمْ خَیْرًا' فَاِنَّ الشَّقِیَّ مَنْ حُرِمَ فِیْهِ رَحْمَةَ اللّٰهِ)) (۱۱)

"اللہ تعالیٰ نیک کاموں میں تمہارے باہمی مقابلے کو بڑی توجہ سے دیکھتا ہے اور ان کی وجہ سے اپنے فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا اچھا کردار پیش کرو۔ جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہا' وہ انتہائی بدبخت ہے۔"

ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ تَقَرَّبَ فِیْهِ بِخَصْلَةٍ مِنْ خِصَالِ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ' وَمَنْ اَدّٰی فِیْهِ فَرِیْضَةً کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ)) (۱۲)

"جس شخص نے رمضان کے دنوں میں کوئی بھلائی کا کام کیا اسے دوسرے دنوں میں فرض ادا کرنے کے برابر ثواب ملے گا' اور جس نے رمضان میں ایک فرض

ادا کیا اسے دوسرے دنوں کے ستر فرضوں جتنا ثواب ملے گا"۔

فضائل رمضان بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً — أَوْ قَالَ — حَجَّةً مَعِيَ)) (۱۳)

"رمضان میں عمرہ ثواب کے لحاظ سے حج کے برابر ہے"۔ یا فرمایا : "میرے ساتھ حج کے برابر ہے"۔

اس مبارک مہینے میں مختلف قسم کے نیک کاموں میں باہمی مقابلہ اور مسابقت کی فضیلت بیان کرنے والی متعدد احادیث و روایات کتب حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ایسے کام کرنے کی توفیق بخشے جن میں اس کی رضا شامل ہو' ہمارے صیام و قیام کو مقبول و منظور فرمائے' ہمارے حالات کی اصلاح کردے' ہم سب کو گمراہی اور فتنوں سے محفوظ رکھے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کی بھی درخواست کرتے ہیں کہ تمام مسلمان حکمرانوں کی اصلاح فرمائے اور حق پر ان کو مجتمع کردے۔ اور وہی ذات ایسا کرنے پر قادر ہے۔

حواشی

(۱) سنن الترمذی' کتاب الصوم' باب ماجاء فی فضل شهر رمضان حدیث ۶۸۵۔ سنن ابن ماجہ' کتاب الصیام' باب ماجاء فی فضل شهر رمضان حدیث ۱۶۴۲۔ حدیث صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح سنن الترمذی للالبانی۔

(۲) مجمع الزوائد' ج ۳' ص ۱۴۲' بحوالہ المعجم الکبیر للطبرانی۔

(۳) صحیح بخاری' کتاب الصوم' حدیث ۳۳' ۳۵' ۳۶

(۴) صحیح بخاری' کتاب الصوم' باب هل یقول انی صائم اذا شُتِمَ۔ صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب فضل الصیام' حدیث ۱۱۵۱۔

(۵) سنن الترمذی' حدیث ۲۶۲۳۔ کتاب الایمان' باب ماجاء فی ترک الصلوٰة' حدیث صحیح ہے۔ دیگر متعدد کتب حدیث میں بھی یہ حدیث دیکھی جاسکتی ہے۔ امام حاکم و امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو المستدرک' ج ۱' ص ۶' ۷۔

(۶) صحیح بخاری' کتاب الایمان' حدیث ۸

(۷) صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب فضل الصیام۔

(۸) صحیح بخاری' کتاب الصوم' باب من لم یدع قول الزور.....الخ۔

(۹) صحیح بخاری 'کتاب الوتر' باب ماجاء فی الوتر۔ صحیح مسلم 'کتاب صلاۃ المسافرین' باب صلاۃ اللیل مثناہ مثناہ۔

(۱۰) سنن ابی داؤد 'تفریع ابواب شھر رمضان' باب فی قیام شھر رمضان۔ سنن الترمذی' باب قیام شھر رمضان حدیث ۶۴۶۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ بلاحظہ ہو صحیح سنن الترمذی للالبانی۔

(۱۲) مجمع الزوائد' حوالہ گزر چکا ہے۔

(۱۲) الترغیب والترھیب بحوالہ صحیح ابن خزیمہ۔ لیکن حدیث سخت ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للالبانی' حدیث ۸۷۱

(۱۳) سنن ابی داؤد 'کتاب المناسک' باب العمرۃ' حدیث ۱۹۹۰۔ سنن الترمذی 'کتاب الحج' باب ماجاء فی عمرۃ رمضان' حدیث ۹۴۹۔ حدیث صحیح ہے' ملاحظہ ہو صحیح سنن الترمذی للالبانی

فرصت کے لمحات ضائع نہ کریں

گھر بیٹھے اپنی سہولت کے مطابق خط و کتابت کورسز کا مطالعہ کر کے اپنے جنرل نالج میں اضافہ کریں۔ مطالعہ مکمل کرنے کے لئے مدت کی قید نہیں ہے۔

1) اسلام کا جائزہ : جدید تعلیم یافتہ افراد کی ذہنی اُلجھنوں کے پیش نظر اسلامی عقائد اور نظریات کی عقلی دلائل سے وضاحت۔

2) حدیث کا جائزہ : آغازِ اسلام سے تیسری صدی ہجری تک احادیث جمع کرنے اور محفوظ کرنے کی تاریخ۔

3) جینے کا سلیقہ : کامیاب زندگی بسر کرنے کا فن۔

4) آسان عربی گرامر : صرف اتنی جو قرآن مجید سمجھنے کیلئے ضروری ہے۔

5) مطالعہ قرآن حکیم : ابتدائی عربی گرامر جاننے والوں کے لئے قرآن حکیم کو سمجھنے کا کورس (زیر طبع ہے)

البلاغ فاؤنڈیشن

۴ھ۔ الف' ایف سی سی' گلبرگ IV' لاہور

دینی جماعتوں اور جہادی تحریکوں کا نصب العین

نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام

رشید عمر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

(المائدہ : ۶۸)

"کہہ دو: اے اہل کتاب تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تورات' انجیل اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو قائم نہ کرو۔ یہ فرمان جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور انکار کو زیادہ بڑھا دے گا۔ مگر تم انکار کرنے والوں کے حال پر کچھ افسوس نہ کرو"۔

شریعت بل پیش کرنے کے بعد ہمارا قومی ردِّ عمل اس آیت مبارکہ میں بیان کئے گئے ردِّ عمل سے مختلف نہیں ہے۔ لیکن یہاں ایک دوسرے اہم پہلو سے بات کو واضح کرنا مقصود ہے۔ وہ اہم پہلو یہ ہے کہ آج جب دُنیا کے کسی خطہ پر بھی صحیح اسلامی نظام قائم نہیں ہے' تو کیا اُمتِ مسلمہ کی حیثیت اس حال میں اللہ کو قابل قبول ہے؟ اور کیا اسلامی نظامِ زندگی قائم نہ ہونے کی صورت میں اُمتِ مسلمہ کے مختلف گروہوں کا مذہب کے نام پر جہاد کے لئے برسرپیکار ہونا اُمت کے اسلامی رول کو اللہ کے ہاں قابل قبول بنانے کے لئے کافی ہے؟

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی روشنی میں سابقہ اُمتوں کے حال پر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے جب اللہ کے دیئے ہوئے نظامِ زندگی کو عملاً قائم نہ کیا تو اللہ

تعالیٰ نے ان کی کسی دوسری حیثیت کو یکسر تسلیم نہیں کیا۔ اگر اُمتِ مسلمہ بھی اسی روش پر چل رہی ہو تو اس کا کیا مقام ہے؟ اور پھر اس کی زندگی کا واحد اولین نصب العین کیا ہونا چاہئے۔ ان سوالوں کے جواب کے لئے دو جلیل القدر انبیاء کی زندگی کا جائزہ لینا ہو گا۔ وہ دو انبیاء ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ۔ یہی دو پیغمبر ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ پر واضح کیا ہے کہ تمہارے لئے ان کی زندگی اور ان کے اصحاب کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ پہلے ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو دیکھتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ .... ﴾ (الممتحنة : ۴)

"تمہارے لئے بہترین نمونہ تو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں ہے' جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو بالکل بری ہیں' ہم نے تمہارا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بیزاری پیدا ہو گئی' یہاں تک کہ تم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لاؤ....."

دشمنی اور بیزاری کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے آپ علیہ السلام کو جن مراحل سے گزرنا پڑا' جن جن گھاٹیوں کو عبور کرنا پڑا' قرآن مجید نے ان کا مفصل ذکر کیا ہے۔ سب سے پہلے آپ علیہ السلام نے باپ کے خاندانی بُت کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا اور کہا :

﴿ يٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ۝ ﴾

(مریم : ۴۲)

"ابا جان! آپ کیوں اس کی بندگی کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے' نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتا ہے؟"

باپ کا جواب تھا :

﴿ ... لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ ﴾ (مریم : ۴۶)

"اگر تو اپنی بات سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کروں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دُور ہو جا"۔

پدری محبت اور خاندانی بندھن آڑے نہیں آئے اور آپؑ یہ کہہ کر علیحدہ ہو گئے :

﴿ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰى اَنْ لَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ ﴾ (مریم : ۴۸)

"میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور اُن ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ اور میں تو صرف اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا' امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر نا امید نہیں رہوں گا"۔

جب قوم نے اپنے معبودانِ باطل کی ناراضگی سے ڈرایا تو نہ صرف ان کے باطل نظریات کو حکمت اور دلائل کی بنیاد پر غلط ثابت کیا بلکہ ان کی طرف سے دلائے گئے خوف کو بھی مسترد کر دیا۔ فرمایا :

﴿ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الانعام : ۸۲)

"اور میں اُن چیزوں سے کیوں ڈرنے لگا جن کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرا رکھا ہے' جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے (جن کے معبود ہونے) کی کوئی سند اس نے تم پر نازل نہیں کی۔ پھر دونوں میں سے کونسا فریق امن (اطمینان سے رہنے) کا زیادہ حقدار ہے' (بتاؤ) اگر تم علم رکھتے ہو۔"

اسی طرح قوم کے بُت خانہ میں بُتوں کے توڑنے کا مشہور واقعہ بھی پیش آیا جسے قرآن نے یوں بیان کیا :

﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾

(الانبیاء : ۵۸)

"چنانچہ (ان کے چلے جانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے) بُتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا'

بجز ان کے بڑے بُت کے 'تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔"

اس پر قوم کا ردِّ عمل بھی قرآن میں نقل ہوا ہے :

﴿ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ ﴾

(الانبیاء: ۶۸)

"انہوں نے (آپس میں) کہا: جلاڈالو اس کو اور بدلہ لو (اس سے) اپنے معبودوں کا اگر تم کو کچھ کرنا ہے۔"

آپ علیہ السلام نے اس موقع پر بھی رہتی دُنیا کے لئے اپنا اُسوہ چھوڑا اور کوئی مفاہمت قبول نہیں کی' بلکہ اپنے دعوے اور عمل پر ثابت قدم رہتے ہوئے کفر و شرک کی جلائی ہوئی آگ میں چھلانگ لگادی۔ نصرتِ الٰہی کو بھی جوش آیا :

﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ ﴾ (الانبیاء : ۶۹)

"ہمارا حکم ہوا: اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی (بن جا) ابراہیم کے لئے"۔

اسی طرح باطل قوت و اقتدار کا سربراہ نمرود بھی آپ علیہ السلام کے ٹھوس دلائل کے سامنے مبہوت ہو کر رہ گیا :

﴿ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ ﴾ (البقرۃ : ۲۵۸)

"ابراہیم نے کہا: اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے 'تُو اسے مغرب سے نکال لا۔ (یہ سن کر) وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔"

آپ علیہ السلام نے محبوب بیٹے کی محبت بھی اطاعت خداوندی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"(اور ابراہیم نے دعا مانگی) اے میرے رب مجھے (بیٹا) عطا فرما (جو) صالحین میں سے (ہو) تو ہم نے اسے ایک بُردبار لڑکے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ لڑکا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم نے اس سے کہا: بیٹا میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں 'تو اب بتا تیری کیا رائے ہے؟۔ وہ بولا: ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے (بلا تامل) اس کی تعمیل کیجئے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پھر جب دونوں (باپ بیٹے) حکم کی تعمیل

پر آمادہ ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل (زمین پر) گرا دیا تو ہم نے آواز دی: "اے ابراہیم واقعی تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ (اب ہم تجھے بڑے مراتب دیں گے اور) نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ تھی ایک کھلی آزمائش۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی اس بچے کے بدلے میں دے دی"۔ (الصافات : ۱۰۰-۱۰۷)

دعوتِ حق کے لئے اپنی جائے پیدائش عراق کے شہر "اُر" سے لے کر مکّہ تک کا سفر اس بات کی دلیل ہے کہ آپ علیہ السلام نے کسی علاقہ یا جگہ کی محبت کو اس عظیم رستے کی رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ اس دعوت کی شان کیا تھی؟ قرآن مجید نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے

﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

(البقرۃ : ۱۳۱)

"جب اس کے رب نے کہا فرمانبرداری اختیار کر' تو پکار اٹھا کہ میں نے ربّ العالمین کی فرمانبرداری اختیار کر لی"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف نظری توحید بلکہ توحید عملی کا نمونہ اپنی قوم کے سامنے رکھ کر دعوت دی کہ جیسے میں نے اپنے رب کی مکمل فرمانبرداری اختیار کی ہے' تم بھی غیروں کی بندگی چھوڑ کر صرف اسی کے فرمانبردار بن جاؤ۔ اگر تم اس کی اطاعت اختیار نہیں کرتے ہو تو ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ یہ دشمنی اس وقت تک رہے گی جب تک تم صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کے اطاعت گزار نہیں بن جاتے۔ آپ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے ان بڑے بڑے واقعات کو ذہن میں لائیے کہ کس طرح آپ علیہ السلام نے خاندانی بُت کو توڑا' قوم کے بُت خانہ کو توڑا' باطل نظریات کو جھوٹا ثابت کیا' معبودانِ باطل کے غیظ و غضب کو خاطر میں نہیں لائے' اقتدار کے بُت کے سامنے نہیں جھکے' ایذا اور تکلیف کے خوف کے بُت کو خاطر میں نہیں لائے' وطن پر اختیار نہیں کی اور اولاد کی محبت کے جذبے کو اللہ کی محبت کے مقابلے میں ذبح کر دیا۔ تو پھر مالک حقیقی کی طرف سے اعلان ہوا :

﴿ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ (البقرۃ : ۱۲۴)

"میں تمہیں سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں"۔

آیئے اب ایک جھلک نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی بھی دیکھ لی جائے۔ جونہی اللہ کی جانب سے ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے پکار لگائی۔ یہ پکار عام بھی تھی اور خاص بھی۔ آپ نے کہا: اے جماعت قریش! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنی کعب اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہؓ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ' کیونکہ میں تم لوگوں کو اللہ کی گرفت سے بچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ پھر حکم ہوا :

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر : ۹۴)

"آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجئے اور مشرکین سے رُخ پھیر لیجئے"۔

آپ ﷺ نے مشرکانہ خرافات اور باطل نظریات کا مثالیں دے دے کر پردہ چاک کرنا شروع کیا تو قریشِ مکّہ نے چار محاذوں پر آپ کی دعوت کو روکنے کی کوشش کی :

(۱) ہنسی مذاق' ٹھٹھا' تحقیر اور تکذیب تاکہ مسلمانوں کو بددل کر کے ان کے حوصلے پست کر دیئے جائیں۔ قرآن نے ان کا قول نقل کیا ہے :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ ﴾ (الحجر : ۶)

"(کافروں نے کہا) اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے یقیناً تم مجنون ہو۔"

(۲) آپ کی تعلیمات کو مسخ کرنا' شکوک و شبہات پیدا کرنا' جھوٹا پروپیگنڈا کرنا' تعلیمات سے لے کر شخصیت تک کو واہیات اعتراضات کا نشانہ بنانا' سب اس کثرت سے کرنا کہ عوام کو آپ کی دعوت و تبلیغ پر غور کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے :

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة : ۲۶)

"اور کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو سنو ہی مت۔ (اور جب یہ سنایا جائے تو) اس دوران غل مچا دیا کرو شاید اس طرح تم غالب آجاؤ۔"

(۳) پہلوں کے واقعات اور افسانوں سے قرآن کا مقابلہ کرنا اور لوگوں کو اسی میں الجھائے رکھنا۔

(۴) سودے بازی کے ذریعے کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر اسلام اور جاہلیت کے درمیان کوئی مصالحت باہمی کی درمیانی راہ نکالنے کو شش کرنا۔

جب یہ کارروائیاں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں تو پھر پچیس سردارانِ قریش نے باہمی مشورے اور غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اسلام کی مخالفت، پیغمبر اسلام کو ایذا رسانی اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے جور و ستم اور ظلم تشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔ ذاتی حیثیت میں آپ ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دلوائی گئی۔ آپ ﷺ کے کھانے پر گندگی پھینکی گئی۔ نماز کے دوران سجدہ کی حالت میں آپ ﷺ کی کمر پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی گئی، آپ ﷺ کے صاحبزادے کی موت پر خوشی منائی گئی اور آپؐ کے خلاف بدزبانی کی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر : ۹۷)

"یقیناً ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں اس سے آپ کا دل بھنچتا ہے۔"

لیکن کوئی حربہ آپ کو دعوتِ حق کی تبلیغ سے نہ روک سکا۔

آپؐ کے ساتھیوں میں سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گردن میں رسی ڈال کر مکہ کی گلیوں میں تپتی ریت پر گھسیٹا گیا، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا دانہ پانی بند کر کے گھر سے نکال دیا گیا۔ آل یاسر رضی اللہ عنہم پر ظلم ڈھائے گئے۔ سُمیّہؓ کو ابو جہل نے شرمگاہ میں نیزہ مار کر شہید کیا، عمارؓ کو پانی میں غوطے دے کر حضرت محمد ﷺ کو گالیاں دینے پر مجبور کیا گیا اور خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو دہکتے انگاروں پر لٹایا گیا۔ اس جور و ستم کے نتیجے میں مسلمانوں کا مکہ میں رہنا دوبھر ہو گیا تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو دو بار حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ قریش مکہ نے ان لوگوں کو واپس لانے کے لئے سفارت بھیجی جو ناکام واپس آئی۔ جب انہیں اپنی کوئی پیش چلتی نظر نہ آئی تو ابو طالب جو اب تک آپؐ کے حمائتی چلے آ رہے تھے، سردارانِ قریش ان کے پاس حاضر ہوئے اور بولے "..... اپنے بھتیجے کو روکئے، کیونکہ ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباء و اجداد کو گالیاں دی جائیں، ہماری عقل و فہم کو حماقت زدہ قرار دیا

جائے اور ہمارے خداؤں کی عیب چینی کی جائے۔ آپ نے انہیں نہ روکا تو ہم آپ سے اور ان سے ایسی جنگ چھیڑیں دیں گے کہ ایک فریق کا صفایا ہو کر رہے گا"۔ ابو طالب پر اس زوردار دھمکی کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: "اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہو"۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تو بھی میں اس کام کو اس حد تک پہنچائے بغیر نہیں چھوڑ سکتا کہ یا تو اللہ اس کو غالب کر دے یا میں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں"۔

مسلمانوں کی تعداد اس کے باوجود ہر روز بڑھ رہی تھی۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس قافلۂ ایمانی میں شامل ہو جاتے ہیں تو عتبہ بن ربیعہ قریش کے مشورہ سے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے : "بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس لئے تم چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اعزاز و مرتبہ حاصل کرو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے دیتے ہیں' یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کریں گے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔ اگر تمہارے پاس کوئی جن بھوت آتا ہے جسے تم دیکھتے ہو لیکن اپنے آپ سے دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارے لئے اس کا علاج تلاش کئے دیتے ہیں اور اس کے لئے ہم بہت سا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں' تاکہ تم شفایاب ہو جاؤ"۔ جواب میں آپ ﷺ نے سورۂ حم السجدۃ کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ اس نے واپس جا کر قریش کے لوگوں سے کہا : اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ کر الگ تھلگ بیٹھ رہو۔ خدا کی قسم میں نے اس کا قول سنا ہے' اس سے کوئی زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ پھر اگر عرب نے اس شخص کو مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعے انجام پا جائے گا اور اگر یہ شخص عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت' اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی، اور اس کا وجود سب سے بڑھ کر تمہارے لئے باعثِ سعادت ہو گا۔"

اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے کسی فائدہ کے حصول کا اس سے بڑھ کر موقعہ کوئی اور نہ تھا۔ لیکن اپنی دعوت کو عملی طور پر غالب کرنے سے کم کوئی منفعت آپؐ کو قابل قبول نہ تھی۔ جب قریش مکّہ نے دیکھا کہ آپؐ نے دین کی دعوت کے مقابلے میں مفاہمت کی ہر پیشکش ٹھکرا دی ہے تو بنی ہاشم اور بنی مطلب کا مکمل معاشی مقاطعہ کر دیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ جب تک یہ قبائل محمدؐ کو قتل کے لئے قریش مکّہ کے حوالے نہ کر دیں گے ان کے ساتھ کوئی صلح اور کسی مروّت کا معاملہ نہ کیا جائے گا۔ تین سال یہ مقاطعہ برقرار رہا لیکن اس کے باوجود ایّامِ حج میں آپؐ باہر نکلتے اور حج کے لئے آنے والوں سے مل کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔

جب مکّہ کے لوگوں تک آپؐ نے حجت تمام کر دی اور کسی مزید خیر کی توقع نہ رہی تو آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا' لیکن سردارانِ طائف نے آپ ﷺ کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ اہلِ مکّہ کی زیادتیوں سے بڑھ کر تھا۔ اس کے ردعمل میں جو دعا آپؐ نے کی وہ آسمانوں کا سینہ چیرتی ہوئی بارگاہِ الٰہی میں پہنچی' تو ملک الجبال کو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔ لیکن طائف سے واپسی پر آپؐ کے آخری کلمات یہ تھے کہ "اللہ یقیناً اپنے دین کی مدد کرے گا اور اپنے نبیؐ کو غالب فرمائے گا"۔

ہجرت سے پہلی رات نوجوانانِ قریش مل کر آپؐ کے گھر کو گھیر لیتے ہیں کہ جونہی آپؐ باہر قدم رکھیں آپؐ کو قتل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے بحفاظت آپؐ کو مدینہ پہنچا دیا۔ مدینہ میں اوس و خزرج کا ایک گروہ آپ کا ساتھی تھا۔ بقیہ لوگوں میں تین قبائل بنو قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ میں آباد تھے' جو فلسطینی النسل یہودی تھے۔ ان کے پاس مادی وسائل بھی وافر تھے اور ساتھ ہی مذہبی محاذ پر بھی ان کا قبضہ تھا۔ انہوں نے جہاں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں چال چلی وہاں اپنی معتبر حیثیت کے ذریعے کفار کو بھی اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ ان کے اس گھناؤنے کردار کی انتہائی مثال غزوۂ احزاب کے موقعہ پر کھل کر سامنے آئی۔ لیکن حضور نبی کریم ﷺ منافقت کی ان موجوں اور کفر کے چڑھتے ہوئے طوفانوں سے بچ کر اسلام کو سربلند کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ غزوۂ احزاب سے پہلے کئی چھوٹے چھوٹے غزوات اور سرایا کے علاوہ بدر و اُحد کے

معرکے اور بعد میں فتح مکّہ اور فتح خیبر و حُنین' جنگِ موتہ اور جنگِ تبوک کے معرکے پیش آئے' لیکن آپؐ نے سوائے دین حق کو واضح کرنے کے کسی اور حوالہ سے کسی سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ کسی معرکہ میں بھی علاقائی' نسلی یا گروہی عصبیت کا مسئلہ جنگ کا سبب نہیں بنا۔ مطالبہ صرف ایک تھا' نصب العین صرف ایک تھا :

﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ (الشوریٰ : ۱۵)

"مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔"

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان ملاحظہ ہو :

((اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَيَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ' فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدِ اعْتَصَمُوْا وَعَصَمُوْا دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))

(احمد' بزار' نسائی' ابن ماجہ و ترمذی)

"مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ اُس وقت تک جاری رکھوں جب تک کہ وہ نماز نہ پڑھیں' زکوٰۃ نہ دیں اور اس بات کی شہادت نہ دیں کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ جو تنہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جب یہ باتیں کرلیں تو وہ خود بھی بچ گئے اور اپنی جان و مال کو بھی بچالیا' مگر جو شریعت کی زد میں آجائے' اس کے بعد ان کا حساب خدا کے سپرد ہے"۔

یہ ہے جھلک حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ طیّبہ کی۔

اب سورۃ الممتحنہ کی آیات مذکورہ پر ایک نظر دوبارہ ڈالئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت محمد ﷺ اور وہ تمام ہستیاں جن کو اللہ نے بطور پیغامبر مبعوث کیا۔ اور جنہوں نے ان کا ساتھ دیا ان کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف ایک ہی تھا کہ وہ اللہ کے کلمہ کو سربلند کردیں۔ جس نظریہ کی دعوت دی خود اس کے مطابق فرمانبرداری کا مکمل نمونہ بن کر لوگوں کے سامنے پیش ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپؐ بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے بنی نوع انسان کو خود ساختہ

تہذیبی ثقافتی رسم و رواج اور باطل مذہبی عقائد و نظریات کے بندھنوں سے آزاد کرا کے صرف اور صرف ایک اللہ کے تابع کر دیا۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے منصب کو بایں الفاظ واضح فرمایا :

﴿ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝ ﴾ (الصف : ۹)

"وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو کل نظامِ زندگی پر غالب کر دے' چاہے مشرکوں کو ناگوار گزرے"۔

اور وہ ہستیاں جنہوں نے اللہ اور آخرت پر ایمان کے ساتھ آپؐ کی اتباع کی' ان کی شان اس طرح بیان فرمائی :

﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۝ ﴾

(الحج : ۴۱)

"اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ دیں گے (لوگوں کو) نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

دورِ خلافتِ راشدہ تک فتوحات کا سلسلہ اسی نصب العین کے تحت چلا کیونکہ یہی شہادت علی الناس کی راہ تھی :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ ﴾ (البقرۃ : ۱۴۳)

"اسی طرح (اے مسلمانو!) ہم نے تمہیں ایک اُمّتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دُنیا کے لوگوں پر گواہ بنو اور تم پر رسول گواہ بنے۔"

آج ہم اُمّتِ مسلمہ پر نظر دوڑائیں تو پوری اُمت دو حصوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک حصہ جن کے سامنے دین کے حوالے سے کوئی نصب العین نہیں ہے۔ دوسری دینی اور جہادی تحریکیں' جو مذہب کے نام پر اپنے کاموں کو جہاد فی سبیل اللہ کا رنگ دیتی

ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان کی تگ دو کا مرکز و محور تہذیبی' ثقافتی' علاقائی' مسلکی اور نسلی تحفظات کا حصول تو نہیں ہے۔ اگر وہ اپنی جدوجہد کو جہاد فی سبیل اللہ کہتے ہیں تو اس کا لازمی ہدف اسلامی نظام حکومت اور نفاذ شریعت کا حصول ہونا چاہئے۔ اگر یہ ہدف نہیں ہے تو باقی بت خانہ ہے جس میں یہ جماعتیں گم ہو چکی ہیں' یہ خود اسلام کے نفاذ میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ انہوں نے دوسرے مسائل کو نمایاں کر کے اپنے اور اپنے اصل ہدف کے درمیان پردے حائل کر دیئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں کا ہدف ہدایت خداوندی کے نفاذ کے علاوہ کسی اور چیز کو نہیں بنایا۔ انسانی دکھوں اور مصیبتوں کے بارے میں جس قدر حساس اور دردمند یہ ہستیاں تھیں کوئی دوسرا بڑے سے بڑا مصلح ان کی خاک پا کا درجہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ انہوں نے تمام مسائل کا حل اللہ کے دیئے ہوئے نظام کو بتایا اور حضور نبی کریم ﷺ نے پوری دنیا کو اس کی عملی صورت دکھادی۔

فرض کیجئے آپؐ گوناں گوں مشکلات کے حل کے لئے کوئی علاقائی مطالبہ یا مالی منفعت کے حصول پر مدِمقابل عالمِ کفر سے سودا بازی کر لیتے تو ضرورتیں تو ان کی بھی تھیں' اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں گھر بدر ہونے پر مجبور تھے۔ معاشی بدحالی نے انہیں بے حال کر رکھا تھا۔ معاشرتی وقار ان کو بھی محبوب تھا۔ اگر آپؐ کوئی بیچ کی راہ نکال لیتے جس سے یہ مسائل حل ہو جاتے تو کونسا مفکر یا دانشور ایسا ہوتا جو انہیں غلط کہتا۔ یقیناً لوگ آپؐ کو قومی ہیرو قرار دیتے۔ لیکن پوری انسانیت کو نظامِ عدل و قسط سے بہرہ ور کرنا ایسا مقصد تھا جس کے بدلے میں کوئی قیمت وصول نہیں کی جا سکتی تھی ـــــ اور بس یہی طریق زندگی قابلِ اتباع ہے۔

آج اگر دینی جماعتوں اور جہادی تحریکوں نے تہذیبِ نفس اور ابلاغِ عامہ کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے باطل نظریات و عقائد سے بیزاری ظاہر نہ کی' اپنے پائے استقلال سے باطل اقتدار کے سربراہوں کو مبہوت نہ کیا' مصائب اور دکھوں کے خوف کے بتوں سے نہ ٹکرائے اور نظامِ عدلِ اجتماعی کو اپنا نصب العین نہ بنایا تو جان لینا چاہئے کہ دنیا میں مشرکین بھی ہیں' یہود و نصاریٰ بھی ہیں لیکن مسلمان نہیں ہیں!

غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار(۹)

تالیف : علامہ محمد صالح المنجد' مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے
نبی اکرم ﷺ کے اختیار کردہ مختلف اسلوب

۳۰) غلطی کرنے والے کا بائیکاٹ :

یہ ایک انتہائی مؤثر نبوی اسلوب ہے' بالخصوص جب کہ غلطی یا گناہ بہت عظیم ہو۔ کیونکہ تعلقات منقطع کر لینے سے غلطی کرنے والے کے دل پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا واقعہ ہے' جو غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ نے یہ تحقیق کر لی' اور خود انہوں نے بھی اعتراف کر لیا کہ ان کے پاس جہاد سے پیچھے رہ جانے کا کوئی عذر نہیں تھا تو پھر کیا ہوا' اس کی تفصیل خود حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی زبان سے پیش خدمت ہے۔ انہوں نے فرمایا :

جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے' ان میں سے ہم تین سے آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ لوگ ہم سے دُور دُور رہنے لگے اور ہمارے ساتھ ان کا رویہ بالکل تبدیل ہو گیا۔ حتیٰ کہ مجھے زمین اجنبی محسوس ہونے لگی۔ گویا یہ وہ سرزمین نہیں جسے میں جانتا تھا۔ پچاس دن تک ہمارا یہی حال رہا۔ میرے دونوں ساتھی تو انتہائی دل شکستہ ہو کر گھروں میں بیٹھ رہے اور روتے رہے۔ میں زیادہ جوان اور مضبوط تھا' (صبر کر کے یہ عظیم مصیبت برداشت کرتا رہا)' میں گھر سے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت میں بھی شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا پھرتا بھی تھا' لیکن کوئی مسلمان مجھ سے کلام نہیں کرتا تھا۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر مجلس میں

تشریف فرما ہوتے' مَیں حاضر ہو کر سلام عرض کرتا' پھر دل میں کہتا : کیا میرے سلام کا جواب دینے کے لئے آنحضرت ﷺ کے ہونٹوں میں حرکت ہوئی ہے یا نہیں؟ (شک ہی رہتا)۔ پھر میں حضور علیہ السلام کے قریب ہی نماز شروع کر دیتا۔ چور نظروں سے حضور علیہ السلام کی طرف دیکھتا۔ جب مَیں اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور علیہ السلام میری طرف دیکھتے' جب میں حضور علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ منہ پھیر لیتے۔ جب لوگوں کی بے التفاتی کی مدت طویل ہو گئی تو (ایک دن) میں دیوار پھاند کر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ میں داخل ہو گیا' وہ میرے چچازاد تھے' اور مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارے تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا' اللہ کی قسم! انہوں نے میرے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا : "ابو قتادہ! میں تجھ سے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں' کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں؟" وہ خاموش رہے۔ میں نے دوبارہ قسم دے کر پوچھا' وہ پھر بھی خاموش رہے۔ میں نے پھر قسم دے کر پوچھا تو انہوں نے کہا : "اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ معلوم ہے"۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں واپس لوٹا اور دیوار پھاند کر باہر آ گیا..... اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے آگے جا کر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : جب سے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہم سے کلام کرنے سے منع کیا تھا' پچاس راتیں گزر گئی تھیں۔ پچاسویں رات کی صبح کو میں فجر کی نماز پڑھ کر گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور میری وہی کیفیت تھی جو اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) بیان فرمائی ہے کہ مجھ پر میری جان تنگ ہو گئی تھی' اور زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہو چکی تھی۔ اچانک مجھے کسی پکارنے والے کی آواز سنائی دی' جس نے سلع پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا تھا : "اے کعب بن مالک! تجھے خوشخبری ہو"۔ (۱۰۷)

اس واقعہ میں عظیم نکات اور ایسے نصائح ہیں جنہیں کسی حال میں نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ ان سے مطلع ہونے کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے جن میں علماء نے اس حدیث کی شرح بیان کی ہے' مثلاً زاد المعاد اور فتح الباری۔

ترمذی کی حدیث سے بھی آنحضرت ﷺ کے اس اسلوب کو روبعمل لانے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا : "جناب رسول

اللہ ﷺ کو تمام عادتوں میں سب سے زیادہ نفرت جھوٹ سے تھی۔ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے پاس غلط بیانی کرتا تو آنحضرت ﷺ کے دل پر اُس وقت تک اس کا اثر رہتا تھا جب تک حضور ﷺ کو یقین نہ ہو جاتا کہ اس نے توبہ کرلی ہے۔[۱۰۸]

مسند احمد کی روایت میں ہے : "رسول اللہ ﷺ کے دل میں اس سے ناراضگی رہتی"۔[۱۰۹] ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں : "اگر حضور علیہ السلام کو اپنے کسی صحابی سے اس قسم کی کوئی چیز معلوم ہوتی تو حضور علیہ السلام اس سے کبیدہ خاطر رہتے، حتیٰ کہ معلوم ہو جائے کہ اُس نے توبہ کرلی ہے"۔[۱۱۰]

ایک روایت میں ہے : "اگر حضور علیہ السلام کو اپنے گھر والوں میں سے کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ اس نے کوئی بات جھوٹ کہی ہے تو آپؐ اس سے عدمِ التفات کا رویّہ رکھتے، حتیٰ کہ وہ توبہ کرلے"۔[۱۱۱]

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے سے خفا ہو جانا، تاکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے، ایک مفید تربیتی اسلوب ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے جب غلطی کرنے والے کے دل میں خفا ہو جانے والے کا ایک مقام ہو، ورنہ اس پر اس کا کوئی مثبت اثر نہیں ہوگا۔ بلکہ ممکن ہے وہ سوچے کہ اچھا ہوا، جان چھوٹ گئی۔

۳۱) غلطی پر اَڑ جانے والے کو بددعا دینا :

امام مسلمؒ نے روایت کی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "دائیں ہاتھ سے کھاؤ"۔ اُس نے کہا : "میں نہیں کھا سکتا"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "تُو نہ کھا سکے"۔ اس کے بعد اس کا دایاں ہاتھ اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکا۔[۱۱۲]

مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا : رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو، جسے یُسر بن راعی العیر کہا جاتا تھا، بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا۔ میں نے حضور علیہ السلام کو اسے فرماتے سنا : "دائیں ہاتھ سے کھا"۔ اُس نے کہا : "میں اس کی طاقت نہیں رکھتا"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "تُو طاقت نہ رکھے"۔ صحابی فرماتے

ہیں : اس کے بعد اس کا دایاں ہاتھ منہ تک نہیں پہنچ سکا۔ (۱۱۳)

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا : اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بلا عذر کسی شرعی حکم کی مخالفت کرے اسے بد دعا دینا جائز ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر حال میں کرنا چاہئے، حتیٰ کہ کھانا کھانے کے دوران بھی کیا جا سکتا ہے"۔ (۱۱۴)

یہ بد دعا اس انداز کی نہیں تھی جس سے انسان کے خلاف شیطان کی مدد ہو، بلکہ یہ ایک قسم کی سزا تھی۔

۳۲) غلطی کرنے والے کے احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ غلطی کی طرف اشارہ کر کے باقی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرنا :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴾ (التحریم : ۳)

"اور جب نبیؐ نے اپنی ایک بیوی سے ایک راز کی بات کہی۔ پھر جب اُس نے اس کو افشا کر دیا اور اللہ نے نبیؐ کو اس سے آگاہ کر دیا، تو نبیؐ نے اس پر کسی حد تک (اُس بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبیؐ نے اُسے (افشائے راز کی) یہ بات بتائی تو اُس نے پوچھا آپؐ کو اس کی کس نے خبر دی؟ نبیؐ نے کہا: مجھے اس نے خبر دی جو سب کچھ جاننے والا اور خوب باخبر ہے"۔

قاسمی رحمہ اللہ نے تفسیر "محاسن التاویل" میں فرمایا :

"اور جب نبیؐ نے" یعنی حضرت محمد ﷺ نے "اپنی ایک بیوی سے" حفصہ رضی اللہ عنہا سے "راز کی بات کہی" یعنی لونڈی کو، یا اللہ کی حلال کردہ کسی اور چیز کو، اپنی ذات پر حرام کرنے کی بات بتائی۔ "جب اُس نے اس کو افشا کر دیا" یعنی اُس نے وہ راز کی بات اپنی ساتھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دی "اور اللہ نے پیغمبر کو اس سے آگاہ کر دیا" یعنی آپؐ کو

اطلاع دے دی کہ اُس نے اسے بات بتادی ہے "تو پیغمبرؐ نے اس بیوی کو وہ بات کچھ تو بتائی" یعنی انہوں نے جو راز افشاء کیا تھا' ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے وہ کچھ بات بتائی "اور کچھ نہ بتائی"۔ یعنی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ بات نہ بتائی۔

نوٹ : الاکلیل میں ہے : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کسی آشنا یعنی بیوی یا دوست وغیرہ کو راز کے طور پر کوئی بات بتانے میں کوئی حرج نہیں' اور اس (ہم راز) کے لئے ضروری ہے کہ اس راز کو محفوظ رکھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیویوں سے حسن سلوک کرنا چاہئے اور ڈانٹ ڈپٹ میں بھی نرمی کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور (غلطی کرنے والے کو جتانے کے لئے) غلطی کی پوری تفصیل ذکر کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے"۔ (۱۱۵)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے : "شریف آدمی کبھی تفصیل میں نہیں جاتا"۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : "شریف لوگ ہمیشہ تغافل سے کام لیتے ہیں"۔

۳۳) غلطی کے ازالے میں مسلمان کی مدد کرنا :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اُس نے کہا : "یارسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا"۔ فرمایا : "کیا ہوا؟" اُس نے کہا : "میں نے روزہ کی حالت اپنی بیوی سے مباشرت کر لی"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "کیا تمہیں ایک غلام دستیاب ہے جسے تم آزاد کر دو؟" اُس نے عرض کیا : "جی نہیں"۔ فرمایا : "کیا تم مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟" اُس نے کہا : "جی نہیں"۔ فرمایا : "کیا تمہارے پاس اتنا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو؟" اُس نے کہا : "جی نہیں"۔ نبی اکرم ﷺ وہیں تشریف فرما رہے۔ اسی اثناء میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک ٹوکرا پیش کیا گیا' جس میں کھجوریں تھیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا : "سائل کہاں ہے؟" اُس نے کہا : "جی' میں ہوں"۔ فرمایا : "یہ لے کر صدقہ کر دو"۔ وہ بولا : "اللہ کے رسول! کیا اپنے سے زیادہ غریب آدمی پر صدقہ کروں؟ اللہ کی قسم! سنگریزوں والے دونوں قطعات کے درمیان (یعنی

پورے مدینہ میں) مجھ سے غریب گھر موجود نہیں"۔ آنحضرت ﷺ کھل کر مسکرائے حتیٰ کہ آپؐ کے نوکیلے دانت نظر آنے لگے۔ پھر فرمایا : "اپنے گھر والوں کو کھلا دینا"۔ (۱۱۶)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسان کے قلعہ کے بلند حصہ کے سائے میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی حاضر خدمت ہوا' اور بولا : "اللہ کے رسول! میں تو جل گیا"۔ فرمایا : "کیا ہوا؟" اُس نے کہا : "میں نے روزے کی حالت میں بیوی سے مقاربت کی ہے"۔ راوی کہتے ہیں : یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا : "بیٹھ جاؤ"۔ وہ دوسرے لوگوں میں جا بیٹھا۔ تب ایک آدمی گدھے پر کھجوروں کی بوری لے کر حاضر ہوا اور اُس نے کہا : "یا رسول اللہ! یہ میری طرف سے صدقہ ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "وہ کہاں ہے جو ابھی جل گیا تھا؟" اُس نے کہا : "میں حاضر ہوں یا رسول اللہ" فرمایا : "یہ لے لو اور صدقہ کر دو"۔ اُس نے کہا : "صدقہ مجھ پر اور میرے لئے کرنے کے علاوہ اور کہاں جائے گا؟ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے' میرے پاس اور میرے بیوی بچوں کے پاس کچھ بھی نہیں"۔ فرمایا : "تب اسے لے لو"۔ چنانچہ اُس نے وہ کھجوریں لے لیں۔ (۱۱۷)

۳۴) غلطی کرنے والے سے مل کر تبادلۂ خیال کرنا :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : میرے والد نے ایک معزز خاندان کی ایک خاتون سے میری شادی کر دی۔ وہ اپنی بہو کی خیریت کا پتہ کرنے آتے اور اس سے اس کے خاوند کے بارے میں پوچھتے' وہ کہتی : "وہ بہت اچھے آدمی ہیں' جب سے ہم ان کے پاس آئے ہیں وہ ہمارے بستر پر نہیں بیٹھے' نہ ہمارا کپڑا اٹھا کر دیکھا"۔ جب کافی عرصہ تک یہی کیفیت رہی تو انہوں نے جنابِ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات ذکر کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "اسے میرے پاس لانا"۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا : "تم روزے کس طرح رکھتے ہو؟" میں نے کہا : "ہر روز"۔ فرمایا : "قرآن کتنی دیر میں ختم کرتے ہو؟" میں نے عرض

کیا : "ہر رات"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "ہر مہینے میں تین روزے رکھو' اور ایک مہینے میں قرآن پڑھو"۔ میں نے کہا : "میں اس سے زیادہ (عمل کرنے کی) طاقت رکھتا ہوں"۔ فرمایا : "ہفتہ میں تین روزے رکھو"۔ میں نے عرض کیا : "میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں"۔ فرمایا : "دو دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھو"۔ میں نے عرض کیا : "میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں"۔ فرمایا : "تو سب سے افضل روزہ رکھ لو' یعنی داؤد (علیہ السلام) کا روزہ' ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن چھوڑو اور سات راتوں میں ایک بار قرآن ختم کرو"۔ کاش! میں نے رسول اللہ ﷺ کی رخصت قبول کر لی ہوتی! اب میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں (اور اتنی عبادت آسانی سے نہیں کر سکتا۔ (راوی بیان کرتے ہیں کہ) آپ دن کے وقت قرآن کا ساتواں حصہ کسی کو سنا لیتے تھے' تاکہ رات کو پڑھنے میں آسانی ہو اور جب یہ چاہتے کہ (انہیں روزے رکھنے کی) طاقت حاصل ہو جائے' تو کئی دن (مسلسل) روزہ چھوڑ دیتے' بعد میں گن کر پورے کر لیتے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جو کام نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں کرتے رہے ہیں' اسے ترک کر دیں۔ (۱۱۸)

مسند احمد کی روایت میں یہ واقعہ مزید وضاحت سے بیان ہوا ہے' اور اس روایت میں مزید کئی نکات بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : میرے والد نے قریش کی ایک عورت سے میرا نکاح کر دیا۔ جب وہ رخصت ہو کر میرے گھر آئی تو میں اس کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا' کیونکہ میں اپنے اندر عبادت یعنی نماز اور روزے کی طاقت محسوس کرتا تھا۔ (ایک دن) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی بہو کے پاس آئے اور اس سے پوچھا : "تم نے اپنے خاوند کو کیسا پایا؟" اُس نے کہا : "بہت اچھا آدمی ہے' نہ اُس نے ہمارا کپڑا اٹھایا' نہ ہمارے بستر پر آئے"۔ انہوں نے میرے پاس آ کر مجھے بہت سرزنش کی' اور فرمایا : "میں نے تمہارا نکاح قریش کی اونچے حسب نسب والی عورت سے کیا' تو نے اس سے کنارہ کشی کر لی اور تو نے یہ کیا' وہ کیا" (یعنی انہوں نے بہت برا بھلا کہا) پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میری شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے بلا بھیجا۔ میں حاضر ہوا تو فرمایا : "دن کو روزہ رکھتے

ہو؟" میں نے کہا : "جی ہاں"۔ فرمایا : "رات کو قیام کرتے ہو؟" میں نے کہا : "جی ہاں" پھر فرمایا : "لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں' اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔ جو میرے طریقے سے بے رغبتی کرے گا وہ مجھ سے نہیں"۔ پھر فرمایا : "ہر مہینے ایک بار قرآن پڑھا کرو"۔ میں نے عرض کیا : "میں اپنے آپ میں اس سے زیادہ قوت محسوس کرتا ہوں"۔ فرمایا : "تب دس دن میں قرآن پڑھ لیا کرو"۔ میں نے کہا : "میں خود کو اس سے زیادہ قوی سمجھتا ہوں"۔ فرمایا : "تو تین دن میں پڑھ لو"۔ اس کے بعد فرمایا : "ہر مہینے میں تین دن روزے رکھو"۔ میں نے کہا : "میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہوں"۔ آپ اضافہ کرتے رہے حتیٰ کہ فرمایا : "ایک دن روزہ رکھو' ایک دن نہ رکھو۔ یہ سب سے افضل روزہ ہے اور یہ میرے بھائی داؤد (علیہ السلام) کا روزہ ہے"۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا : "ہر عبادت کرنے والے کا ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ جوش کے ٹھنڈا پڑنے پر وہ شخص یا تو سنت پر قائم رہتا ہے یا بدعت اختیار کر لیتا ہے۔ تو جو شخص جوش ٹھنڈا ہونے پر بھی سنت پر عمل کرتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے' اور جو شخص جوش ٹھنڈا ہونے پر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے' وہ تباہ ہو جاتا ہے"۔

مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا : "جب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بوڑھے اور کمزور ہو گئے' تو (یہ طریقہ اختیار کیا کہ) مسلسل کئی دن روزے رکھتے رہتے' پھر اسی تعداد کے مطابق (مسلسل) روزہ چھوڑ دیتے' تاکہ کچھ قوت حاصل ہو جائے"۔ انہوں نے فرمایا : "اسی طرح تلاوت کے حصہ میں بھی کمی بیشی کر لیتے تھے لیکن (مجموعی طور پر) مقدار پوری کر کے سات دن میں یا تین دن میں قرآن مجید پڑھ لیتے"۔ انہوں نے فرمایا : "بعد میں وہ کہا کرتے تھے : "اگر میں رسول اللہ ﷺ کی رخصت قبول کر لیتا تو وہ موجودہ متبادل صورت سے بہتر ہوتا۔ لیکن میں رسول اللہ ﷺ سے جو کام کرتے ہوئے جدا ہوا ہوں' اب اسے چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کو جی نہیں چاہتا"۔[۱۱۹]

واقعہ سے مستنبط بعض مسائل

☆ نبی اکرم ﷺ نے اس سبب کی طرف توجہ فرمائی جس کی وجہ سے مسئلہ پیدا ہوا تھا۔ یعنی عبادت میں اس حد تک انہماک کہ بیوی کے حقوق کی ادائیگی کے لئے وقت نہ بچا جس کے نتیجے میں کوتاہی کا ارتکاب ہوا۔

☆ "ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو"۔ یہ قاعدہ ہر اس شخص پر منطبق ہوتا ہے جو نیکی کے کاموں میں حد سے زیادہ مشغول ہو۔ مثلاً وہ طالب علم جو بہت زیادہ اسباق پڑھتا ہے اور وہ مبلغ جو تبلیغ میں اس حد تک منہمک ہو جاتا ہے کہ بیوی کو تکلیف ہوتی ہے اور اسے شکایت پیدا ہوتی ہے' اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نیکی کے مختلف کاموں کی ادائیگی میں توازن قائم نہیں رہتا اور وقت کو مستحقین میں تقسیم کرنے پر عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ طالب علم اپنے اسباق کے اوقات میں سے اور مبلغ اپنی مصروفیت میں سے اتنی تخفیف کرے کہ گھر کے انتظام اور بیوی بچوں کے حقوق —— مثلاً اصلاح و تربیت وغیرہ —— کے لئے کافی وقت بچ سکے۔

(جاری ہے)

حواشی

(۱۰۷) فتح الباری ۴۳۱۸

(۱۰۸) امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ سنن ترمذی' حدیث ۱۹۷۳

(۱۰۹) مسند احمد ۱۵۲/۶

(۱۱۰) سلسلہ احادیث صحیحہ ۲۰۵۲

(۱۱۱) اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔ صحیح الجامع ۴۶۷۵

(۱۱۲) صحیح مسلم' حدیث ۲۰۲۱

(۱۱۳) صحیح مسلم ۴۵/۴

(۱۱۴) شرح نووی' ۱۹۲/۱۳

(۱۱۵) محاسن التاویل ۲۲۲/۱۹

(۱۱۶) صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۹۳۶

(۱۱۷) مسند احمد ۲۷۶/۶

(۱۱۸) صحیح بخاری مع فتح الباری ۵۰۵۲

(۱۱۹) مسند احمد ۱۵۸/۲' احمد شاکر نے کہا "اس کی سند صحیح ہے"۔ (حدیث ۶۴۷۷)

انقلابِ ایران کے فکری و عملی راہنما

ڈاکٹر علی شریعتی اور آیت اللہ طالقانی

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۱۴)

ڈاکٹر ابو معاذ

۱۹۷۰ء کی دہائی میں مجاہدین پر قیامت ٹوٹتی رہی' انہیں بڑے پیمانے پر گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتارا جاتا رہا اور وہ عزم و ہمت کی شاندار روایات قائم کرتے رہے' لیکن ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو انقلاب کی صبح کو طلوع ہوتا دیکھ سکے۔ ان لوگوں کے پیچھے آیت اللہ طالقانی اور ڈاکٹر علی شریعتی کی شخصیات تھیں اور یہ لوگ فکرِ اقبال سے جذباتی حد تک متاثر تھے۔ اب ہم ان تین شخصیات کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر علی شریعتی : مفکرِ انقلاب

زندگی : دسمبر ۱۹۳۳ء میں خراسان کے ایک چھوٹے سے گاؤں مازینان میں پیدا ہوئے جو صحرائے کویر کے ایک کونے میں واقع ہے۔ ان کے والد مجتہد استاد تقی شریعتی ایک عظیم عالم دین تھے اور مشہد میں حقانیت اسلام کی ترویج کے مرکز کے بانی تھے' جس کی بنیاد طاہر احمد زادہ کے ساتھ مل کر ۱۹۴۱ء میں رکھی گئی تھی۔ اسی طرح ۱۹۵۲ء میں استاد تقی شریعتی نے مہدی بازرگان کی تحریک آزادی میں مؤسس رکن کے طور پر شرکت کی تھی' جس میں ان کے علاوہ آیت اللہ طالقانی' طاہر احمد زادہ اور ڈاکٹر یداللہ جیسے عظیم دانشور شامل تھے۔

ڈاکٹر شریعتی نے ۱۹۵۶ء میں مشہد یونیورسٹی کی فیکلٹی ادبیات میں داخلہ لیا۔ یہاں سے ڈاکٹر علی شریعتی نے دو محاذوں پر اپنی جنگ کا آغاز کیا۔ ان کا پہلا نشانہ روایتی علماء

اور رجعت پسندوں کا طبقہ تھا جنہوں نے خود کو اپنی ذات کے خول میں بند کر کے اسلام کو توہمات کے مجموعہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے اسے عوام کی روزمرہ زندگی کے مسائل سے نکال باہر کیا تھا اور دوسرا طبقہ ان نام نہاد ترقی پسندوں کا تھا جو مغرب کی اندھی تقلید میں مگن تھے۔ ڈاکٹر شریعتی ۱۹۵۸ء میں سرکاری وظیفہ پر فرانس چلے گئے جہاں انہوں نے اگلے پانچ برس تک پیرس میں مذہبی تاریخ اور سماجی علوم کا مطالعہ کیا۔ ۱۹۶۰ء میں انہوں نے پروفیسر ماسیگنان کی نگرانی میں اپنی ڈاکٹریٹ کی تحقیق کا آغاز کیا۔ اس دوران دُنیا بھر کی سماجی تحریکوں اور اسلام کی انقلابی روح کا مطالعہ کیا۔ اور ۱۹۶۴ء میں اپنی بیوی اور دو بچوں کے ہمراہ ایران آ گئے۔ انہیں ملک کی سرحد پر ہی گرفتار کر لیا گیا۔ چنانچہ اگلے چھ ماہ انہوں نے جیل میں گزارے۔

رہائی کے بعد ڈاکٹر شریعتی کو ایران کی کسی بھی یونیورسٹی میں پڑھانے سے روک دیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گاؤں کے قریب ایک دور دراز قصبے کے سکول میں پڑھانا شروع کر دیا۔ ۱۹۶۶ء میں انہیں مشہد یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر کا عہدہ پیش کیا گیا' لیکن ان کے مذہب اور سماجی مسائل کے علم سے خائف ہو کر ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ ۱۹۶۷ء میں تہران آ گئے اور "حسینیہ ارشاد" کے نام سے ایک تدریسی ادارہ قائم کیا۔ اگلے چھ برس اسلامی علوم کی تدریس اور تصنیف و تالیف میں سرگرم رہے۔ اس دوران اپنے شاگردوں کو اسلام کی اصل روح سے آشنا کروایا اور ثابت کیا کہ بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کا مکمل ضابطہ حیات کس طرح مسائل کا حل پیش کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس ادارے کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۷۳ء میں گرمیوں کے سیشن میں چھ ہزار طلبہ نے یہاں داخلہ لیا۔ اب حکومت نے اس ادارے پر پابندی عائد کر دی۔ ۱۹۷۲ء میں جب شریعتی نے علامہ اقبال پر ایک ہفتہ بھر کا سیمینار منعقد کروایا تو ان پر مسجدوں کے منبروں سے طرح طرح کے الزامات عائد کئے گئے۔ ان کو سُنّی' وہابی' بہائی' مارکسسٹ اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا اور علماء نے یہ الزام لگایا کہ ایک سُنّی شخص (اقبال) کے افکار کی ترویج کر کے شریعتی نے اپنے غیر شیعہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس طرح آپ کے ادارے کو بھی کافرستان قرار دے دیا گیا۔ ادارہ بند ہوتے ہی شریعتی کو

گرفتار کرلیا گیا۔ سال بھر اذیتیں دے کر بھی جب ساواک کو مطلوبہ مقصد حاصل نہ ہو سکا اور ڈاکٹر علی شریعتی کے پائے استقلال میں لغزش نہ آسکی تو ان کے بوڑھے والد جناب استاد تقی شریعتی کو بھی عقوبت خانے میں ڈال دیا گیا۔

نومبر ۱۹۷۴ء سے مارچ ۱۹۷۵ء تک ڈاکٹر شریعتی کو قیدِ تنہائی میں رکھ کر بے حد اذیتیں دی گئیں۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والے احتجاج کے پیش نظر جناب شریعتی کو مارچ ۱۹۷۵ء میں رہا تو کر دیا گیا مگر ان کی تبلیغی مساعی پر پابندی عائد کر دی گئی۔ ڈاکٹر شریعتی ۱۶/ مئی ۱۹۷۷ء کو خاموشی سے لندن چلے گئے اور ۱۹/ جون ۱۹۷۷ء کو لندن کے مضافات میں اپنے چھوٹے سے گھر میں مردہ پائے گئے۔ عام خیال یہی تھا کہ ساواک کے کارندوں نے ان کو زہر دے کر ہلاک کیا۔ ایک سرکاری اعلامیہ کے مطابق ڈاکٹر علی شریعتی کو ایک عظیم اسلامی سکالر کے طور پر سراہتے ہوئے ان کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔ انہیں دمشق میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

طریق کار

ڈاکٹر علی شریعتی نے اپنے تصورات کے مطابق اسلام کے انقلابی پیغام کو عام کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار اپنانے کا دعویٰ کیا ہے' جو روایتی' انقلابی اور اصلاحی تحریکوں سے مختلف تھا۔ روایتی لوگ معاشرے کی اقدار کو نہیں چھیڑتے کیونکہ اس طرح ان کے خیال میں معاشرے کی بنیادیں ختم ہو جاتی ہیں' اس کے برعکس انقلابی لوگ تمام قدیم اقدار کا یکسر خاتمہ چاہتے ہیں تاکہ ایک نئے دور کا ماضی سے الگ تھلگ ہو کر آغاز کیا جا سکے۔ اصلاحی تحریکوں میں درمیانی راہ اختیار کی جاتی ہے مگر اس میں بہت عرصہ درکار ہوتا ہے' لیکن رسول اللہ ﷺ کا طریق کار بالکل مختلف تھا۔ آپؐ نے مختلف اقدار کو باقی رہنے دیا مگر ان کے معانی تبدیل کر دیئے۔ چونکہ لوگ مختلف رسوم و رواج سے صدیوں سے آشنا تھے اس لئے انہیں اچانک ختم نہیں کیا بلکہ ان کی روح' مقصدیت اور عملی معانی ایک دم بدل دیئے۔ یہ طریق کار سب سے کامیاب رہا۔ مثلاً

اسلام سے پہلے بھی ہر برس حج کیا جاتا تھا۔ طواف کعبہ کا مقصد پہلے بتوں کی پرستش' اسلاف کی تعظیم اور توہمات کا استحکام ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حج کا ڈھانچہ تو کافی حد تک وہی رہنے دیا مگر اس کے معانی یکسر بدل دیئے۔ اس سے لوگوں میں ایک دم ذہنی تبدیلی رونما ہو گئی' اس لئے عربوں کو اچانک نسل ہا نسل سے مروج طریق کار کو ایک دم ختم کرنے کے صدمے سے گزرنا نہ پڑا۔ اس کی بجائے انہوں نے یوں سمجھا جیسے حج کا اصل پہلو سامنے آنے سے اس مقدس فریضے میں موجود ہر طرح کی آلائشوں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اپنا کر معاشرے سے تعلق ایک دم منقطع نہیں ہو جاتا۔ چونکہ ایرانی مسلمان تھے اس لئے ان کی اسلامی روایات کا احیاء ممکن تھا' بلکہ وہ کسی نہ کسی رنگ میں ان روایات (مسخ شدہ حالت میں ہی سہی) کی پاسداری کرتے چلے آ رہے تھے۔ اگر کوئی ایسا معاشرہ ہو جس میں کوئی پختہ اقدار و روایات موجود نہ ہوں تو وہاں یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا۔

حج کی مثال دیتے ہوئے شریعتی نے کہا کہ طواف سے مُراد انسانی تصورات کے ارتقاء کا سفر ہے' جب وہ مسلسل اپنی تکمیلِ ذات کی طرف رواں دواں ہونے کا تصور ذہن میں لاتا ہے۔ حج کے روحانی پہلو کے ساتھ ساتھ اس عمل کی سیاسی اور سماجی جہتیں بھی اجاگر کی گئیں۔ شریعتی کے خیال میں جن تین شیطانوں کو کنکریاں ماری جاتی ہیں وہ آج کے دور میں سرمایہ داری' جبر و استبداد اور مذہبی منافقت کے مظاہر سمجھے جا سکتے ہیں۔ یہاں پر توحید کے معنی اس آیت قرآن سے مشتق ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ انسان کو ایک ہی واحد جان سے پیدا کیا گیا ہے ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ (النساء) اس طرح تمام بنی نوع انسان کو وحدت کے رشتے میں سمو دیا گیا ہے۔ اسی طرح حج وہ عمل ہے جس میں انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے قدیم روایات کے بتوں کو پاش پاش کرنے پر اتر آتا ہے اور اپنے معاشرے میں ان تعلقات کو ختم کر دیتا ہے جو اس کے مشن کے حصول کے لئے غیر ضروری ہوں۔ اسی طرح آپ مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہو کر اپنے رب سے یہ وعدہ کرنے لگیں کہ آپ بنی نوع انسان کو ظلم' جہالت اور رجعت

پسندی کی آگ میں جلنے سے بچائیں گے۔ طوافِ کعبہ کرتے ہوئے آپ یہ عہد کرتے ہیں کہ لوگوں کو جمود اور بے مقصد زیست کی حدود و قیود سے آزاد کر کے انہیں اسلامی معاشرے کے افراد میں تبدیل کروگے۔ خدا کی راہ میں جدوجہد کے لئے تقویٰ اپنانا ہوگا' اس کے لئے آپ کو ایک ذمہ دار "باغی" بننا ہوگا اور معاشرے کی غلط اقدار سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے آپ کو لوگوں کے جائز مسائل کے حل کے لئے کوشاں ہونا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ درویشی اور رہبانیت اختیار کر کے اگر کوئی دوسروں کے مسائل سے لاتعلق ہو جائے تو پھر وہ تقویٰ اختیار نہیں کر سکتا۔ جہاد کا مقصد یہ ہے کہ آپ خود کو خطرات کے شعلوں کی نذر کر کے باقی لوگوں کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں۔ مجاہد بننا کوئی آسان کام نہیں' اس کے لئے سرفروشی' جان نثاری اور ایثار کی راہیں اپناتے ہوئے قید و بند کی صعوبات' ظلم و ستم' تکالیف اور بے شمار خطرات کا سامنا کرنا ہوگا اور جلاوطنی اور سزائے موت کے لئے تیار رہنا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کی راہ پر چلتے ہوئے توحید کو اپنانا ہوگا۔ شریعتی کے بقول توحید کے سماجی' مادی اور انسانی پہلو بھی ہیں۔ ان سے مراد انسانیت کی وحدت کی اساس فراہم کرنا ہے تاکہ مختلف طبقات کے لوگوں کو مساوات کے نظام میں مربوط کیا جا سکے۔ توحید سے مراد ایک خدا ہے اور ایک ہی انسانیت ہے تاکہ خدا اور بندہ کے باہمی روابط کی داغ بیل ڈالی جا سکے۔ آپ کے نزدیک انسان ملکوتی اور حیواناتی جبلتوں کا امتزاج ہے۔ حیوانی پہلوؤں کو دبا کر ہی یہ ممکن ہے کہ انسان کے ملکوتی پہلو اجاگر ہو سکیں تاکہ انسان خدا کا تقرب حاصل کر سکے۔ انسان خدا کی رضا کا مظہر ہے اور وہ تکمیلِ ذات کے مراحل سے گزر کر خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ انسان اپنے خاکی اور روحانی پہلوؤں کی موجودگی میں ایک ثنویت (Dualism) کا شکار ہے۔ یہ جنگ ہابیل اور قابیل کے معرکہ میں واضح نظر آتی ہے۔ ہابیل قدیم دور کا نمائندہ ہے جب زندگی گلہ بانی کے گرد گھومتی ہے اور ذاتی ملکیت کا تصور نہیں' جبکہ قابیل اس دور کی نمائندگی کرتا ہے جب انسان کاشتکاری کی طرف مائل ہوتے ہوئے ذاتی ملکیت کے تصور سے آشنا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس میں سفلی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ اس باہمی جھگڑے سے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا

ہے جب خدا کی زمین اور اس کے وسائل (مثلاً پانی) پر انسان اپنی ذاتی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ مضمون بڑے دلچسپ پیرائے میں ان کی کتاب "خدا و بشر" میں بیان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر شریعتی توحید اور شرک کے سماجی پہلوؤں پر بھی بحث کرتے ہوئے ایک معاشرے میں سماجی، اخلاقی اور نسلی تضادات کو شرک گردانتے ہیں جبکہ خلوصِ نیت اور باہمی ہم آہنگی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی میں قائم ہونے والے متحدہ معاشرے کو توحیدی معاشرے کا نام دیتے ہیں۔

عقائد : راقم الحروف کو ڈاکٹر شریعتی کی کچھ کتب مثلاً خدا و بشر، شہادت، اقبال و ما اور خطاب بادوستانِ آشنا کے مطالعے کا موقع ملا ہے۔ انہوں نے ہر موقع پر روایتی اسلوب سے ہٹ کر معاملات کی انقلابی انداز میں وضاحت فرمائی ہے۔ مثلاً خطاب بادوستانِ آشنا (جو غالباً ان کی آخری کتاب ہے) میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ میں شیعہ ہوں اور شیعیت میں امامت کا واضح تصور ہے جس کے مطابق امام میں اعلیٰ انسانی صفات اور قائدانہ خوبیاں موجود ہوتی ہیں، مگر جب میں حضرت زین العابدینؒ کو دیکھتا ہوں تو مجھے وہ خوبیاں نظر نہیں آتیں کیونکہ مجھے وہ یزید کے دربار میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ کاظمؒ کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ہارون الرشید مدینہ میں آتا ہے تو اس کی خواہش ہے کہ بنو ہاشم پر روا رکھے جانے والے ماضی کے ظلم و ستم کا کچھ مداوا کیا جا سکے تو وہ آپ کی درخواست پر آپ کی مالی اعانت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ شریعتی کے بقول اگر مجھے کوئی امامت کا اہل نظر آتا ہے تو وہ احمد بن حنبلؒ کی ذاتِ گرامی ہے جو ظلم و ستم سہتے ہیں اور ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آتی۔ دراصل رواداری کا یہ وہ مشکل مقام ہے جہاں پر ڈاکٹر شریعتی کی سوچ ہی پہنچ سکتی ہے۔ ڈاکٹر شریعتی نے علامہ اقبال کے اقوال و افکار اور اشعار کی ترویج کے لئے بھی کوئی کسر اٹھا نہیں چھوڑی تھی۔ ان کے بقول بیسویں صدی میں اسلام کی حقانیت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اقبال جیسا عظیم مفکر عالمِ اسلام میں پیدا ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر شریعتی کے بقول قرآن پاک کا تین چوتھائی حصہ زیادہ تر معاشرتی اور نظریاتی امثال اور امورِ زندگی کی وضاحت کرتا ہے اور قرآن کی ۱۱۴ میں صرف دو سورتیں ہی مذہبی عبادات کے بارے میں ہیں۔ سماجی ذمہ داریاں' نیک نیتی اور اختیار اسلام میں انسان کے بنیادی کردار کا تعین کرتے ہیں۔ قرآن مجید خدا اور بندے کے مابین ایک مسلسل تعلق کا قیام عمل میں لاتا ہے۔ معاشرے سے تعلق توڑ کر انسان ایک فلسفی' شاعر' ادیب یا مصور تو بن سکتا ہے مگر مسلمان نہیں بن سکتا۔ اس طرح شریعتی مارکسزم اور مغربی تہذیب دونوں پر تنقید کرتے ہوئے اسلام کے انقلابی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔

بالآخر شریعتی کی محنت رنگ لائی تو ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد مجاہدین خلق کے روپ میں اپنے دور کی فرعونیت سے نبرد آزما ہو گئی۔ قرآن کے ابدی اصولوں کی رہنمائی میں یہ لوگ سرفروشی کے لئے میدانِ عمل میں اُتر آئے اور فکرِ اقبال کی روشنی میں شخصی آزادی اور سماجی استحکام کی کوششیں شروع ہوئیں۔ شریعتی کی وفات سے ایک برس بعد جب راقم الحروف کو ایران جانا ہوا تو ہر طرف ان کا نام گونج رہا تھا' سفید کاغذ کی جلدوں میں ان کی کتابیں ہر جگہ دستیاب تھیں۔ ان کے شاگردوں نے موت کو مسکراتے ہوئے سینے سے لگالیا۔ ڈاکٹر شریعتی نے ایک موقع پر فرمایا کہ "میری مثال زینب رضی اللہ عنہا کی ہے جو کربلا کے شہیدوں کا حال بیان کرنے کے لئے دمشق کے بازاروں اور دربار میں موجود تھی۔ میں بھی شہیدانِ آزادی کا حال بیان کرنے کے لئے آج کے دور میں موجود ہوں"۔ بقول اقبال ؎

غوطہ ہا زد در ضمیرِ زندگی اندیشہ ام
تا بدست آوردہ ام اسرارِ پنہانِ شما

آیت اللہ طالقانی : ایک بیباک عالمِ دین

۱۹۱۱ء میں تہران کی نواحی بستی کرج میں پیدا ہوئے۔ روایتی دینی مدرسوں میں دین

کی تعلیم حاصل کی اور جرأت و بیباکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلائے کلمۃ الحق کا عظیم فریضہ سرانجام دیا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۳۵ء میں جیل گئے تو آپ کو اسی کوٹھری میں بند کیا گیا جس میں وہ نوجوان کمیونسٹ بھی بند تھے جنہوں نے چھ برس بعد ۱۹۴۱ء میں کمیونسٹ پارٹی (حزبِ تودہ) کی بنیاد رکھنا تھی۔ طالقانی ان لوگوں کو اسلام کے ابدی اور انقلابی اصولوں کی پاسداری کی تلقین کرتے رہے۔ اسی دوران آپ ان نوجوانوں کے جذبہ اور ایثار سے متأثر بھی ہوئے اور زندگی بھر ان کے جذبات کا احترام کرتے رہے۔ ڈاکٹر مصدق کی تیل کو قومیانے کی تحریک کے دوران طالقانی ان چند علمائے دین میں سے تھے جنہوں نے مصدق کی حمایت جاری رکھی۔ ۱۹۵۳ء میں ناکام انقلاب کے بعد مصدق کی گرفتاری کے بعد انہوں نے بادشاہ کی طرف سے تاریخ کو مسخ کرنے کی ہر کوشش کی مخالفت کی اور مشہور انقلابی اسلامی اسکالر طاہر احمد زادہ اور استاد تقی شریعتی (ڈاکٹر علی شریعتی کے والد) کے ساتھ مل کر قومی مزاحمتی تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں جب مہدی بازرگان (اسلامی انقلاب کے بعد ایران کے پہلے وزیراعظم) نے اپنے اسلامی ذہن رکھنے والے روشن فکر دانشوروں کے ساتھ مل کر تحریک آزادی کی بنیاد رکھی تو طالقانی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس تحریک کا مقصد مذہب پر روایتی علماء کی اجارہ داری ختم کر کے اسلام کے سماجی اور انقلابی پہلوؤں کو غیر متعصبانہ فضا میں اجاگر کرنا تھا۔

طالقانی نے ۱۹۶۰ء میں تہران کے نواحی قصبہ کرج کی مسجد ہدایت میں نوجوانوں کے لئے خطبات اور لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی تعلیمات کے نتیجہ میں تہران کے نوجوانوں میں اسلامی روح بیدار ہونے لگی۔ ان کے ہفتہ وار خطبات میں بڑی تعداد میں دانشور، طلبہ، تاجر حضرات اور اساتذہ کرام شامل ہونے لگے۔ یہ اجتماعات بعد کے زمانہ میں ڈاکٹر علی شریعتی کی حسینیہ ارشاد کے منظم ادارے کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ مسجد ہدایت کے ان اجتماعات کے انتظامات کے چندہ جمع کرنے میں مشہور تاجر جناب حاج صادق پیش پیش رہے جن کے صاحبزادے ناصر صادق کو مجاہدین خلق کی اعلیٰ قیادت میں خاص مقام حاصل رہا ہے۔ جناب حاج صادق کے مطابق انہوں نے آج تک کسی بھی شخص کو اسلام کی حقانیت کی بابت اس قدر استدلال اور صاف گوئی کے ساتھ طالقانی کے

علاوہ نہیں دیکھا جن کے خطبات میں شرکت کے لئے نوجوان ہر ہفتے ستر اَسّی کلومیٹر کا سفر طے کر کے مسجد ہدایت پہنچتے اور ان کی تقاریر کے دوران حاضرین پر سکوت کی کیفیت طاری رہتی۔ طالقانی کے خطبات کے مستقل شرکاء میں حنیف نجاد اور احمد رضائی جیسے نوجوان شامل تھے' جنہوں نے آپ سے متاثر ہو کر مجاہدین خلق کی بنیاد رکھی اور اپنی جان کے نذرانے راہ حق میں پیش کئے۔

طالقانی ایک بار پھر ۱۹۶۵ء میں قید کر لئے گئے اور انہیں اپنی طویل اسارت کے زمانے میں مجاہدین خلق اور فدائین خلق (کمیونسٹ نوجوانوں کی تنظیم) کے ارکان پر ہونے والے غیر انسانی مظالم کو ملاحظہ کرنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ طلبہ اور انقلابیوں کی خون آلود نعشیں اور شدید زخمیوں کے جسموں کو بھی طالقانی کی کوٹھری میں ڈال دیا جاتا تاکہ وہ ان نوجوانوں پر بیتنے والی قیامت کا مشاہدہ کر سکیں جن کو راہ حق کی تلقین آپ نے فرمائی تھی۔ جیل سے رہائی کے بعد بھی طالقانی نے اپنے انقلابی خطبات کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹۷۴ء میں انقلابی نوجوان جن کی تعداد نو تھی' ایران کی قومی ہوائی کمپنی "ھُما" کا ایک مسافر بردار طیارہ اغوا کر کے بغداد لے گئے اور وہاں پر گرفتار کر لئے گئے۔ ان کی رہائی کے لئے طالقانی نے آیت اللہ خمینی کو' جو نجف میں مقیم تھے' ایک خفیہ خط لکھا (جس کے لئے نظر نہ آنے والی روشنائی استعمال کی گئی تھی) کہ آپ ان کی رہائی کے لئے ذاتی طور پر کوشش کریں۔ جناب خمینی نے مقدور بھر کوشش کی مگر بالآخر تنظیم آزادی فلسطین کے دباؤ پر یہ لوگ رہا کروا لئے گئے۔

بادشاہ کے وفادار اور روایت پرست علماء نے جناب طالقانی کی انقلابی سرگرمیوں کی مخالفت شروع کر دی اور ان سے متاثر ہو کر انقلاب اسلامی کی جدوجہد کے لئے کوشاں نوجوانوں کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ اس دوران مشہور کمیونسٹ رہنما احمد کسروی کو اپنے گھر میں خفیہ طور پر پناہ دینے کے جرم کو بھی علماء نے تنقید کا نشانہ بنایا۔

طالقانی ۱۹۷۵ء میں پھر گرفتار کر لئے گئے اور انہوں نے اگلے تین برس تک جیل میں زبردست مشکلات کا سامنا کیا۔ خرابی صحت اور بڑھاپے کے باوجود صبر و استقامت سے ہر مشکل کو برداشت کیا۔ عوام کے زبردست دباؤ کے باعث اکتوبر ۱۹۷۸ء میں طالقانی

سینکڑوں سیاسی قیدیوں کے ہمراہ جیل سے باہر آگئے اور ان کی ذات انقلابِ اسلامی کی تمام سرگرمیوں کا مرکز بن گئی۔ ان کا گھر انقلابیوں کا ہیڈ کوارٹر قرار دے دیا گیا اور اب ان کا پیرس میں مقیم جناب خمینی سے مسلسل رابطہ قائم رہا جنہیں یہ تمام انقلابی سرگرمیوں کی پل پل کی خبر دیتے رہے۔ اب طالقانی انقلاب کے ترجمان اور انقلابی سرگرمیوں کے منتظم کے طور پر سامنے آئے۔ انہوں نے ہڑتالوں اور دھرنوں کے پروگرام تشکیل دیئے۔ ان کی رہنمائی میں نومبر ۱۹۷۸ء سے لے کر جنوری ۱۹۷۹ء تک تیل کی پیداوار کے کارکنوں کی ہڑتال نے ایران میں زندگی کو عملاً مفلوج کر کے رکھ دیا۔ ان کا گھر نہ صرف انقلابیوں کا ہیڈ کوارٹر بنا ہوا تھا بلکہ انقلابی سرگرمیوں کے لئے تمام تر چندہ یہیں جمع ہوتا اور انقلابی سرگرمیوں میں ہلاک یا زخمی ہونے والے افراد کے لواحقین کو یہیں سے تقسیم کیا جاتا تھا۔ آیت اللہ خمینی کی جانب سے پیرس سے جو پیغامات یا پمفلٹ جاری ہوتے وہ بھی ان کے دفتر کے توسط سے تقسیم کئے جاتے تھے۔

طالقانی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کو یومِ عاشورہ منانے کا اعلان کیا جس میں وسیع پیمانے پر جلوس نکال کر جنرل اظہری کے مارشل لاء کی خلاف ورزی کی جانی تھی۔ اس سے ایک یوم قبل جناب طالقانی نے ایک ہدایت نامہ جاری کیا جس میں اس موقع کو سیاسی رنگ دے کر پہلوی بادشاہت پر کاری ضرب لگانے کے بارے میں عوام کو جلوس کے طریق کار سے آگاہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا تھا کہ اس دن اپنے سینے اور جسم پر دو ہتڑ مارنے کی بجائے آپ لوگ پہلوی کارندوں کو مُکّے دکھاتے ہوئے عہد کریں کہ عہدِ استبداد کا خاتمہ اب اللہ کی رضا ہے اور اس کے سامنے فرعونی قوتیں ٹھہر نہیں پائیں گی۔ عاشورہ سے ایک دن پہلے سڑکوں پر ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں کھڑی کر دی گئیں اور فوجی حکومت کے زیرِ انتظام چلنے والے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ لوگوں کو جلوسوں میں شرکت کرنے کے خوفناک نتائج سے خبردار کیا گیا۔ یہ خبر بھی پھیل گئی کہ جناب طالقانی کے گھر پر ایک فوجی حملے کی تیاری کر لی گئی ہے۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سے ٹیلی فون کے ذریعے مسلسل جناب طالقانی سے اپیل کی جاتی رہی کہ آپ یہ جلوس منسوخ کر دیں، مگر انہوں نے افواہوں، کشیدگی اور غیر یقینی کی کیفیت میں اپنا پروگرام جاری رکھا۔ اگلے روز

(۱۰ دسمبر کو) دس لاکھ لوگ تہران کی سڑکوں پر نکل آئے۔ عوام کے جوش و خروش کے سامنے فوج پسپا ہونے لگی اور لوگوں کو اپنی فتح واضح طور پر نظر آنے لگی۔ شاید اسی دن کے بارے میں شہزادی اشرف پہلوی نے لکھا ہے کہ اس نے ہیلی کاپٹر پر پرواز کرتے ہوئے لاکھوں عوام کو تہران کی سڑکوں پر غیظ و غضب کی حالت میں دیکھا' اُن میں بڑی تعداد میں سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئی خواتین بھی شامل تھیں۔ یہ وہی خواتین تھیں جن کو عریانی کی جانب مائل کرنا ہی شہزادی اشرف (شاہ کی جڑواں بہن) کا زندگی بھر کا مشن رہا تھا۔ شہزادی اشرف لکھتی ہے کہ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میری عمر بھر کی محنت یوں اکارت چلی جائے گی اور وقت کا پہیہ ایک بار پھر پیچھے کی جانب چشمِ زدن میں گھوم جائے گا۔ اسی مظاہرے کے بعد امریکہ نے اپنے افراد کو ایران سے نکالنے کا پروگرام بنا لیا اور اپنے مفادات کو وہاں سے سمیٹنا شروع کر دیا۔ اس لئے کہ امریکہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب شاہ کو ہر صورت میں جانا ہی ہو گا۔

بالآخر انقلاب برپا ہو گیا۔ علماء کے ایک خاص گروہ نے (جس نے ابھی تک خود کو انقلابی سرگرمیوں سے علیحدہ رکھا تھا یا پھر بہت محتاط رویہ اختیار کئے رکھا تھا) جناب طالقانی کی کوششوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان کو آہستہ آہستہ پیچھے چھوڑنا شروع کر دیا۔ جناب طالقانی کو انقلاب کے بعد وہ مقام نہ دیا گیا جس کے وہ صحیح حق دار تھے۔ ان کے احتجاج پر ان پر سختی کی گئی اور ان کے اہلِ خاندان کو ہراساں کیا گیا۔ آپ انقلاب کے بعد مایوسی کا شکار ہو گئے اور ستمبر ۱۹۷۹ء میں وفات پا گئے۔ (جاری ہے)

ضرورتِ رشتہ

گریڈ 19 کے ایک گورنمنٹ آفیسر کو اپنی 22 سالہ گریجوایٹ' باپردہ' صوم و صلوٰۃ کی پابند بیٹی کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی نے ایف ایس سی (میڈیکل) کے بعد ایل ایچ وی کا دو سالہ گائنی کورس بھی کیا ہوا ہے اور میٹرنٹی کلینک چلانے کی اہل ہے۔ نیز اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد میں ایم اے (انگلش) کی امیدوار بھی ہے۔

رابطہ :م۔ط معرفت حافظ خالد محمود خضر' پوسٹ بکس 5166 ماڈل ٹاؤن لاہور